MAY 2024 زقعدہ ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ مظاہرِ علوم
سہارنپور

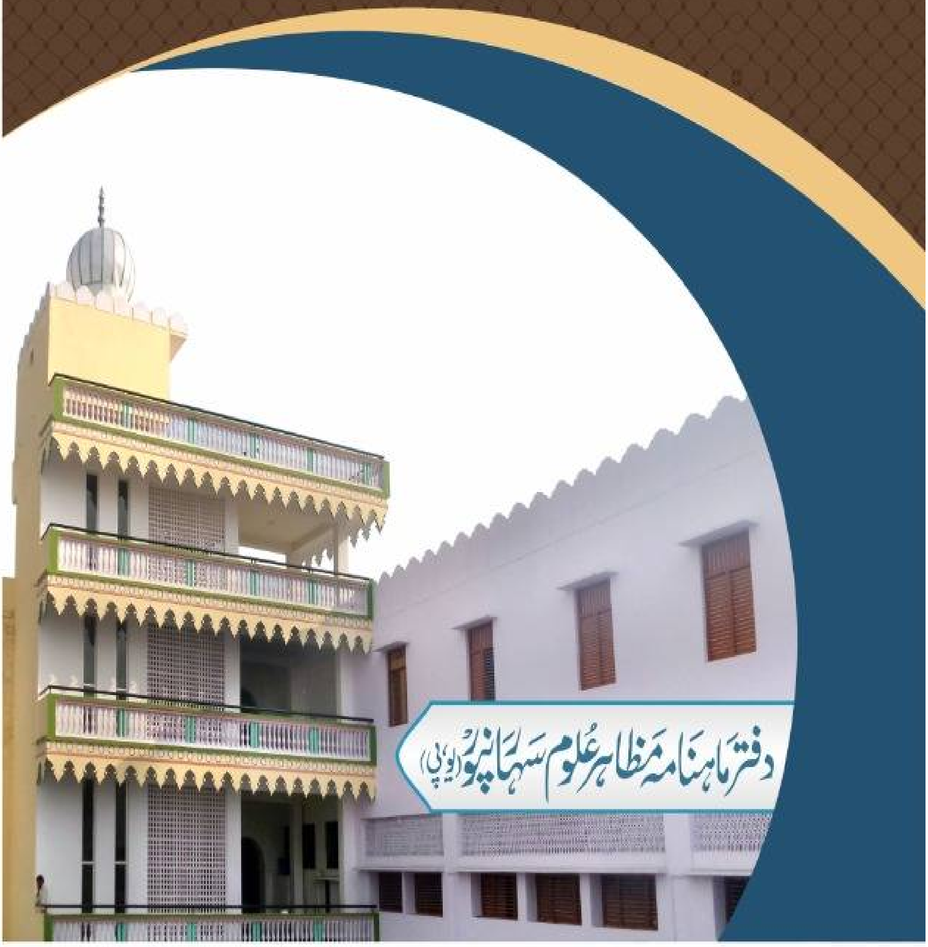

مدرسہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۳۰

شمارہ نمبر ۱

بابت

ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ

مئی ۲۰۲۴ء

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری
- مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۳۰ روپے

سالانہ زر تعاون ——— ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ ناظم مدرسہ

نگراں

مولانا مفتی محمد سید صالح الحسنی امین عام مدرسہ

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	اربابِ مدارس سے	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	حلال کو ترک کرنا	مولانا محمد ساجد حسن	۷
انوار حدیث	پڑوسی کو اذیت دینا	مولانا مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری	۱۰
مقالات ومضامین	مصائب وحوادث کا علاج	حضرت حکیم الامت تھانویؒ	۱۴
	ضعیف احادیث	مولانا محمد معاویہ سعدی	۱۹
	قرآنی واقعات (۷)	مولانا مفتی عبداللہ سہارنپوری	۲۴
	پھونکوں سے یہ چراغ.....	مولانا مفتی محمد حیان بیگ	۲۷
	خدایا میں تیرا........ (منظوم)	حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی	۳۱
	دفاع امامِ اعظمؒ (۲)	مولانا مفتی محمد جابر میواتی	۳۲
	ایک قابل احترام رفیق	مولانا مفتی شعیب احمد بستوی	۳۶
	فتاویٰ مظاہر علوم	مفتی بشیر احمد سہارنپوری	۴۰
	تعزیتی خط	ادارہ	۴۳
	اخبار مظاہر	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۶

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

اربابِ مدارس کی خدمت میں

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

طلوع آفتابِ رسالت کے بعد ہی سے تعلیم کے فروغ اور اسلام کی اشاعت کے لئے (مختلف شکلوں میں) جہاں مدارس اور تعلیم گاہوں کا وجود ملتا ہے وہیں تزکیہ اور تربیت اور اخلاقی سدھار کے لئے خانقاہوں کا نظم بھی ملتا ہے، خلافت راشدہ کے دور میں حضرات صحابہؓ کو مختلف شہروں میں بھیجا گیا، گویا جو صحابی جہاں پہنچ جاتا وہیں ایک مدرسہ اور خانقاہ قائم ہوجاتی۔ صرف قرآن وحدیث کے الفاظ کی تعلیم ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ایمان ویقین اور اسلامی اخلاق اور عمل کی دولت بھی تقسیم ہوتی، چنانچہ تابعین وتبع تابعین میں تفسیر، حدیث، فقہ، مغازی وسیر وغیرہ کے جتنے مشہور ائمہ گزرے ہیں سب ہی زہد وتقویٰ اور احسان وتصوف کے بھی امام تھے۔ امام حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ، سعید المسیبؒ، امام زہریؒ، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سب اپنے فن میں امام ہونے کے ساتھ ساتھ آسمانِ ولایت کے بھی درخشندہ ستارے تھے، رفتہ رفتہ حالات اور زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کے باعث موجودہ مدارس کی شکلیں بن گئیں اور علماء اسلام نے مدارس کا نظام کچھ اس انداز سے مرتب فرمایا کہ انھیں تعلیم گاہوں سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ اور تربیت اخلاق کا بھی کام لیا جانے لگا اور بڑے بڑے رجال کار تیار ہوئے جنھوں نے تاریخ میں اپنی ایک حیثیت اور پہچان بنائی۔

یہی مدارس اسلامیہ اپنی تاریخ کے اولین دور سے آج تک پوری دنیا میں اسلام اور اسلامی تشخصات کو باقی رکھے ہوئے، اور پوری ذمہ داری کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی تعلیمات کے فروغ اور اصلاح معاشرہ کے لئے رجال کار تیار کررہے ہیں۔

اِن مدارس اسلامیہ کا بھی ایک نظام تعلیم اور اصول تعلیم ہے، خاص طور سے برصغیر ہندوپاک میں نظام یہ ہے کہ رمضان سے کچھ ایام پہلے اِن مدارس میں سالانہ امتحانات کے بعد تعطیل کلاں ہوجاتی ہے۔

اسلامی مدارس میں طویل رخصتوں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، ان مدارس اور مراکز اسلامیہ سے کسب فیض کرنے والے اور دینی علوم وفنون میں اختصاص ومہارت حاصل کرنے والے طلبہ اب ان مدارس وجامعات میں پہونچ کر اپنے داخلوں کی کارروائیاں تقریباً مکمل کر چکے ہیں، دنیوی علوم وفنون کے مقابلہ جو حضرات ان مدارس کا انتخاب کرتے ہیں ان کا مقصد صرف اور صرف علم دین ہوتا ہے، بڑے مبارک ومسعود ہیں وہ لوگ جنھوں نے دنیا کمانے کے لئے علوم وفنون کی درسگاہوں کو چھوڑ کر ان دینی علوم وفنون کے مراکز کا قصد وارادہ کیا ہے، یہ دینی علوم اگر اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ حاصل کئے جائیں تو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بنتی اور خوب سنورتی ہے۔

ہر علم وفن کے حصول کے کچھ آداب اور شرائط ہوا کرتے ہیں جن کو اپنائے بغیر اس علم وفن میں اختصاص اور مہارت تو بہت دور کی بات ہے اس میں شدبد بھی مشکل ہی سے آتی ہے، یہ علم دین جو دنیا کے اور تمام علوم وفنون سے افضل اور بابرکت ہے، یقیناً یہ آداب وشرائط کے لحاظ کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے آپ بیتی میں رقم فرمایا کہ:

> میرے اکابر نور اللہ مراقدہم کے یہاں طلباء کے آداب پر بھی خصوصی نگاہ رہتی تھی۔ اول تو اس زمانہ میں اکابر اور اساتذہ کا احترام طلباء کے اندر کچھ ایسا مرکوز تھا کہ اب وہ باتیں یاد آ کر بہت ہی رنج وقلق ہوتا ہے۔ اس ناکارہ نے اپنے اکابر کے سامنے جو طلباء کا طرز دیکھا اور وہ اکابر کی برکت تھی، ان کی توجہ اور طلباء کی سعادت سے ہم لوگوں کی طالب علمی کے زمانہ میں یہ چیزیں طلباء میں ایسی پختہ تھیں کہ ان پر کہنے یا ٹوکنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ لیکن اس ناکارہ کو اپنے مدرسی کے زمانہ بالخصوص حدیث پاک کی تدریس کے زمانہ میں جو ۴۴ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ حدیث کے متعلق مقدمۃ الحدیث، مقدمۃ الکتاب پر مختصر کلام کے بعد اپنے اصول عشرہ خاص طور سے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

آج کا یہ دور ہر طرح سے انحطاط کا دور ہے، علم دین سے لگاؤ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے، امت کی بہت مختصر تعداد ان مدارس میں آتی ہے، اگر یہی مختصر تعداد علم دین کے حصول میں آداب وشرائط کی پابند نہ رہ سکے تو یقیناً امت کا بڑا خسارہ اور نقصان ہوگا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے جو اصول عشرہ بیان فرمائے ہیں، آج کے اس دور انحطاط میں اس کو بار بار پڑھنے اور اس پر عمل کی سخت ضرورت ہے تا کہ طلبہ ان مدارس سے کچھ تو حاصل کر سکیں۔

(۱) سبق کی غیر حاضری میرے یہاں سخت ترین جرم تھا۔

(۲) صف بندی کا اہتمام نماز کی صفوف کی طرح سے، کسی کا آگے بیٹھنا کسی کا پیچھے بیٹھنا بے ترتیب بیٹھنا اس سیہ کار کو بہت ہی گراں گذرتا تھا۔

(۳) وضع قطع کے اوپر بھی اس سیہ کار کو بہت ہی زیادہ شدت سے اہتمام رہتا تھا۔ علمائے سلف کی وضع کے خلاف اس سیہ کار کو بہت ہی گراں گزرتی تھی۔ بالخصوص ڈاڑھی کے معاملہ میں۔

(۴) اس ناکارہ کی عادت یہ تھی کہ کتاب الحدود وغیرہ کی روایت میں جو فحش لفظ آ گیا یا جیسا **انکتھا یا امصص بظر اللات** وغیرہ الفاظ، ان کا اردو میں لفظی ترجمہ کرنے میں مجھے کبھی تامل نہیں ہوا۔ میں نے کنایہ سے ان الفاظ کا ترجمہ کبھی نہیں بتایا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ جیسا اُردو میں ان کا ترجمہ ہے ویسے ہی عربی میں ان کے اصل الفاظ ہیں۔ میں اپنی ناپاک اور گندی زبان کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاک زبانوں سے اونچا نہیں سمجھتا تھا۔

(۵) کتاب کے اوپر کہنی وغیرہ رکھ دینا (ٹیک لگانا) بھی جیسا کہ بعض طالب علم کی عادت ہوتی ہے اس سیہ کار کے یہاں نہایت بے ادبی اور گستاخی تھا۔

(۶) سبق میں سونا تو اس سے بھی بڑا سخت ظلم تھا، بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ طالب علم نے حدیث پڑھی اور میں نے تقریر کی اور جب طالب علم نے دوسری حدیث شروع کی تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر نہایت پھرتی سے سونے والے کو ایک تھپڑ مار کر اپنی جگہ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ میں اس میں اکابر مدرسین اور مخصوصین کی اولاد کی بھی بالکل رعایت نہیں کرتا تھا۔ میرے حضرت میرے مرشد میرے آقا نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ کے ایک عزیز کی بھی عادت تھی، مجھے کئی دفعہ اس کے ساتھ یہ عمل کرنا پڑا، میرے حضرت کے یہاں میری شکایت بھی پہنچی مگر میرے حضرت کو اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے، میری شکایت پر ہمیشہ ہی تسامح فرمایا بلکہ طرفداری فرمائی۔ اس شکایت پر بھی میرے حضرت کا جواب یہ تھا، کیا میں اس کو (زکریا) کو اس بات پر تنبیہ کروں کہ تم نے حدیث کی بے ادبی پر کیوں مارا۔

(۷) حدیث پاک کے سبق میں خاص طور سے بیٹھنے پر بھی میں خصوصی تنبیہ شروع سال میں کر دیتا تھا کہ چوکڑی مار کر نہ بیٹھیں، دیوار سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں۔

(۸) لباس پر بھی خصوصی تنبیہ شروع میں کر دیتا تھا۔ میں کہا کرتا تھا کہ دنیا میں سینکڑوں مذاہب اور سینکڑوں طریقے لباس کے ہیں، مگر ایک چیز میں تم خود ہی غور کرو کہ مقتداؤں کا لباس

ایک ہے یعنی لمبا کرتا، لمبا چوغہ چاہے مسلمان ہو چاہے پادری ہو چاہے مجوس ہو چاہے ہنود ہوں۔

(۹) ائمۂ حدیث اور فقہ کے ساتھ نہایت ادب اور احترام ہو اور ان پر اعتراض چاہے قلبی ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ کیا جائے، بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بیوقوف ائمۂ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں یہ مجھے بہت ناگوار ہوتا تھا۔ میں نے قطب الارشاد حضرت گنگوہی کا ایک مقولہ بچپن میں سنا تھا حضرت قدس سرہ نے حنفیت کی تائید میں کوئی تقریر فرمائی جس پر طلباء جھوم گئے، کسی نے جوش میں کہہ دیا کہ اگر حضرت امام شافعی بھی اس تقریر کو سنتے تو رجوع فرما لیتے تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا توبہ توبہ، استغفر اللہ، حضرت امام ربانی اگر موجود ہوتے تو میری یہ تقریر ایک شبہ ہوتی اور حضرت مجتہد اس کا جواب فرما دیتے۔ اب تو چونکہ ائمۂ مجتہدین موجود نہیں ہیں ان کے اقوال ہمارے سامنے ہیں ان اقوال میں ہم امام ابوحنیفہ کے قول کو اقرب الی القرآن والحدیث پاتے ہیں اس لئے اس کی تائید کرتے ہیں۔ ورنہ مجتہدین میں سے کوئی ہوتا تو ان کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

(۱۰) مجھے اس پر بھی زور تھا اور ابتداء ہی میں طلباء کو اس پر متنبہ کر دیا کرتا تھا کہ معاصر مدرسین کا کوئی قول آپ نقل کریں تو شوق سے مگر مدرس کا نام ہرگز نہ لیں۔ اس سلسلہ میں چونکہ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہٗ صدر المدرسین کے یہاں ترمذی شریف ہوتی تھی اور اس سیہ کار کے یہاں ہمیشہ ابوداؤد اور ان دونوں کی روایات ابواب فقہیہ کے طرز پر ہوتی تھیں اور اس زمانہ کے طالب علم کچھ سمجھدار بھی تھے وہ میری اور مولانا مرحوم کی تقریر میں جب اختلاف پاتے تو بڑے زور سے مجھ پر یا مولانا پر اعتراض کرتے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ مولانا مرحوم نے بھی اپنے سبق میں اس پر نکیر کی تھی کہ تم شیخ کا نام لے کر مجھے مرعوب کرنا چاہتے ہو جو اعتراض ہوا کرے بغیر شیخ کے نام کے کیا کرو۔ میں نے بھی اس پر کئی سالوں میں کئی دفعہ طلباء پر نکیر کی کہ مولانا کا نام لے کر اعتراض ہرگز نہ کریں کہ مولانا کا نام سننے کے بعد اس پر رد کرنا بے ادبی ہے اور سکوت کرنا اپنی رائے کے خلاف کو قبول کرنے کے ہم معنی ہے۔ حدیث کی کتابیں تو دوسرے حضرات مدرسین کے یہاں بھی ہوتی تھیں مگر اس سیہ کار اور مولانا کے سبقوں میں یہ چیز کثرت سے پیش آیا کرتی تھیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔

ارباب مدارس خصوصیت سے ان اصول عشرہ کو اپنے یہاں برتیں اور علم دین حاصل کرنے والے طلبہ ان کو عمل میں لائیں انشاء اللہ فائدہ ہوگا اور مقصد کے حصول کی راہیں استوار ہونگی۔ **اللھم قَدِّرْہُ لنا**

درسِ قرآن

حلال کو ترک کرنے کی صورتیں اور احکام

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔(۸۷،۸۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے نہ نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

شانِ نزول:

ایک دن جناب رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور قیامت کے کچھ احوال اور خوفناک حالات بیان فرمائے ،لوگ آپ کے اس وعظ سے نہایت متأثر ہوئے اور رونے لگے،اس کے بعد اکابرِ صحابہ میں سے دس آدمی: حضرت ابوبکر صدیقؓ ،حضرت علیؓ ،عبداللہ بن مسعودؓ ، عبداللہ بن عمرؓ ، ابوذر غفاریؓ ، سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ ،مقداد بن اسود، سلمان فارسیؓ ،معقل بن مقرنؓ جیسے معزز، بزرگ حضرات، عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ: ہمیشہ روزے رکھیں گے اور تمام رات نماز پڑھیں گے بستر اور گدے پر نہ سوئیں گے، گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے (لذیذ ومرغن غذا کا استعمال ترک کردیں گے) ٹاٹ پہنا کریں گے (عمدہ لباس زیب تن نہ کریں گے) عورتوں اور خوشبو کے قریب نہ جائیں گے اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے، یعنی دنیا کو بالکل ترک کردیں گے، اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا : میں یہودیت ونصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا، میں تو ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو نہایت سہل اور آسان ہے، یاد رکھو! تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے، خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی

کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میرا امتی نہیں۔

تشریح وتوضیح:

مذکورہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ اگر چہ دنیا، اور اس کی شہوات ولذات کو ترک کرنا ایک درجہ میں محبوب وپسندیدہ ہے، مگر مطلقا نہیں، اس کی کچھ حدود ہیں، ان کے دائرہ میں رہتے ہوئے شہوات ولذات کو ترک کیا جاسکتا ہے، ان حدود سے تجاوز کرنا مذموم اور حرام ہے، تو اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں خواہ وہ کھانے پینے کی قسم کی ہوں یا پہننے کی قسم کی ہوں یا منکوحات کی قِسم سے ہوں، ان میں لذیذ اور مرغوب چیزوں کو قسم کھا کر یا ویسے ہی عہد کر کے اپنے اوپر حرام مت کرو اور حدودشرعی سے مت نکلو، سادھو، سنتوں نصرانیوں، راہبوں کے مانند حلال چیزوں کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینا اور حلال کے ساتھ حرام جیسا معاملہ کرنا بھی حدودشرعی سے نکلنا ہے۔

اور یہود کے مانند ہمیشہ لذائذ وشہوات دنیوی میں منہمک رہنا اور حیات دنیا کو ہی مطمح نظر بنالینا بھی حدودشرعی سے نکلنا ہے۔ اور حد شرعی سے نکلنے والے اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔

حلال چیز کو ترک کرنے کی صورتیں اور احکام۔

حلال کو حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں

۱۔ دل سے کسی حلال چیز کو حرام سمجھنا اور اس کی حرمت کا اعتقاد رکھنا۔

حکم: جس حلال چیز کو حرام سمجھا ہے اگر وہ حلال قطعی ہے (یعنی دلائلِ قطعیہ سے اس کی حلت ثابت ہے) تو حکم شرعی کی صریح مخالفت کرنے کی وجہ سے حرام سمجھنے والا آدمی کافر ہو جائے گا۔ **اعاذنا اللہ منہ۔**

۲۔ زبان سے حرام کرنا: مثلا یہ کہنا کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے یا میں اس کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔

حکم: اگر قسم کھا کر حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کیا ہے مثلا یہ کہا کہ: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فلاں کام نہیں کروں گا، یا اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیئوں گا، یا اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ کا پکایا کھانا کبھی نہیں کھاؤں گا، یا قسم کھا کر کہا کہ فلاں جائز لباس نہیں پہنوں گا۔

یہ سب الفاظِ قسم ہیں اس طرح کی قسم سے حلال چیز تو حرام نہیں ہوگی البتہ قسم ہو جائے گی، بلاضرورت

ایسی قسم کھانا گناہ ہے اور قسم کھانے والے پر لازم ہے کہ اس قسم کو توڑ دے اور کفارۂ قسم ادا کرے۔

اور اگر حرام تو کیا مگر الفاظِ قسم سے نہیں تو یہ لغو ہے، اس کا کچھ اثر نہیں۔

۳۔ فعلاً و عملاً کسی چیز کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جیسا حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے، مثلاً ہمیشہ ہمیش کے لئے کسی چیز کو چھوڑ دینے کا التزام و اہتمام۔

حکم: اگر اس حلال چیز کے چھوڑنے کو کارِ ثواب اور اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتا ہے تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو ممنوع ہے، اس صورت میں متروک چیز کا استعمال کرنا واجب ہے۔

اور اگر کسی حلال چیز کو چھوڑنے کا التزام اور پابندی، بہ نیت ثواب نہ ہو بلکہ کسی جسمانی بیماری یا روحانی بیماری کے سبب سے ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں، بعض دفعہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے کہنے سے یا کسی طبیب روحانی کے مضر بتانے سے بعض چیزوں کے استعمال کو ترک کر دینا ہوتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اگر کسی صاحب نے غصہ کی حالت میں یہ کہہ دیا کہ اگر میں کسی معاملہ میں دخل دوں تو سمجھنا کہ کافر، یا کافر کی اولاد ہوں، یا یہ کہا کہ اگر فلاں کے گھر کھانا کھاؤں تو سمجھو کہ خنزیر کا گوشت کھایا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ ہمارے عرف میں یہ الفاظ بھی قسم کھانے کے حکم میں ہیں لہٰذا اگر اپنی بات پوری نہ کر سکے تو کفارہ ادا کرے۔

البتہ ایسی باتیں زبان پر لانا نہایت ہی نامناسب اور ناشائستہ حرکت ہے، ایسی ناشائستہ اور ناروا بات سے بچنا چاہئے اگر کسی بات کو مؤکد کرنا ہی مقصود ہو تو قسم کھا لینا ہی کافی ہے، اور قسم بھی اللہ کی کھانی چاہئے اور وہ بھی شدید ضرورت کے وقت۔

اگر یہ کہا کہ فلاں کام کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں تو ان بیہودہ الفاظ سے قسم نہیں ہوتی نہ اس پر کفارہ لازم ہے البتہ ایسے گندے الفاظ سے توبہ کرنی چاہئے۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

انوارِ حدیث

پڑوسی کو اذیت پہونچانا

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلایؤذ جارہ (بخاری ۲/ ۸۸۹، مسلم ۱/ ۵۰)

جوشخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔

پڑوسی کو اذیت اور تکلیف پہنچانا حرام ہے، یوں تو کسی کو بھی ناحق اذیت دینا حرام اور ممنوع ہے لیکن پڑوسی کے حق میں اس کی حرمت وممانعت اور بھی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن عبداللہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أیّ الذنب أعظم عنداللہ؟ قال: أن تجعل للہ نداً وهو خلقک، قال: قلت: ثم أيٌّ؟ قال: ثم أن تقتل ولدک مخافة أن یطعم معک، قال: قلت: ثم أيٌّ قال: أن تزاني حلیلة جارک۔ (رواہ البخاری ۲/ ۶۴۳ ومسلم ۱/ ۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ جب کہ اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ سب سے بڑا کونسا گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد یہ کہ تم اپنی اولاد کو اپنے ساتھ کھانے کے ڈر سے قتل کردو، کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ پھر سب سے بڑا کونسا گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

زنا ایک انتہائی گھناؤنا اور برا عمل ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، لیکن جب وہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ کیا جائے تو اس کی قباحت وشناعت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ سخت گناہ اور عظیم جرم بن جاتا ہے، اس لیے کہ ایک پڑوسی اپنے دوسرے پڑوسی سے اکرام، احسان، سلوک، خیر خواہی، اپنی عزت وآبرو کی حفاظت اور دفاع کی توقع رکھتا ہے اور وہ اس کا حق دار بھی ہے اب اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان واکرام کرنے اور اس کی عزت وآبرو کا محافظ بننے کے بجائے اس کی عزت وآبرو

سے کھلواڑ کرنے لگے، اس کی بیوی کو شوہر کے خلاف برگشتہ کرنے لگے، اس کے قلب کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنے لگے، اور پھر اپنے عشق ومحبت کے دام میں پھنسا کر اس کی عزت تار تار کر دے تو اس کا یہ تمام عمل اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ اور سخت حرام ہے اور اس عمل کو اللہ کے ساتھ شرک اور اپنی اولاد کے قتل کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

پڑوسی کو اذیت پہنچانے کی سنگینی کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے:

عن المقداد بن الأسود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه :ماتقولون في الزنا؟ قالوا: حرام حرمه الله ورسوله، فهو حرام إلى يوم القيامة، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه: لأن يزني الرجل بعشر نسوة أيسر عليه من أن يزني بامرأة جاره، قال: فقال: فما تقولون في السرقة؟ قالوا: حرمها الله ورسوله فهي حرام ، قال: لأن يسرق الرجل من عشرة أبيات أيسر عليه من أن يسرق من جاره۔ (مسند أحمد ۶/۸)

حضرت مقداد بن الاسودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ حرام ہے اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے تو وہ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنا اس کے لیے اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے چوری کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا یہ حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا دس گھروں سے چوری کرنا اس کے لیے اپنے پڑوسی کے یہاں چوری کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ بعض زنا کا گناہ بعض زنا سے بڑھا ہوا ہے، علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا پڑوسی کے اوپر یہ حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ اس کے گھر والوں کے بارے میں خیانت نہ کرے تو اگر اس نے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کیا اور اسی حکم میں پڑوسی کی بیٹی، بہن اور باندی بھی ہیں تو اس زنا کا گناہ اور عقاب دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہوگا، اسی طرح پڑوسی کے یہاں چوری کرنے کا گناہ دس گھروں سے چوری کرنے کے برابر ہوگا، بہر حال اس حدیث کے اندر پڑوسی کو کسی بھی طرح اذیت پہنچانے کی سخت ممانعت اور اس سے تحذیر فرمائی گئی ہے۔ (فیض القدیر للمناوی رقم الحدیث ۷۲۱۴)

ایک دیگر حدیث میں ہے ’’عن أبي شریح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن، قیل: ومن یارسول اللہ؟ قال: من لایأمن جارہ بوائقہ‘‘

(رواہ البخاری ۲/۸۸۹)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، عرض کیا گیا: کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شرور سے محفوظ و مامون نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کا حق کتنا عظیم ہے اور اس کو اذیت اور تکلیف پہنچانا کس قدر سخت بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا جس کی شرارتوں سے، جس کے فتنوں اور آفتوں سے، جس کی مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے ’’عن أبی ھریرۃ قال: قال رجل: یارسول اللہ إن فلانۃ یذکر من کثرۃ صلاتھا وصیامھا وصدقتھا غیر أنھا تؤذي جیرانھا بلسانھا، قال: ھي في النار، قال: یارسول اللہ فإن فلانۃ یذکر من قلۃ صیامھا وصدقتھا وصلاتھا وإنھا تصدق بالأثوار من الأقط ولاتؤذي جیرانھا بلسانھا قال: ھي في الجنۃ۔ (مسند أحمد ۲/۴۴۰ مستدرک حاکم ۴/۱۶۶)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بے شک فلاں عورت کی نماز، روزے اور صدقے کی کثرت کا چرچا ہے مگر وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے اذیت پہنچاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے، پھر اس شخص نے عرض کیا کہ فلاں عورت کے (نفلی) روزے، صدقے اور نماز کی قلت کو ذکر کیا جاتا ہے اور وہ پنیر کے ٹکڑے صدقہ کردیا کرتی ہے اور وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے اذیت نہیں پہنچاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ ایک عورت نفلی نماز، روزہ اور صدقہ خیرات اس کثرت سے کرتی ہے کہ یہ بات مشہور ہوجاتی ہے کہ فلاں عورت بڑی نمازی ہے، بہت روزہ رکھنے والی ہے، کثرت سے صدقہ خیرات کرنے والی ہے، البتہ اس میں صرف ایک کمی ہے کہ اس کی زبان سے اس کے پڑوسی محفوظ نہیں، وہ ان کو اذیت اور تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خوبیوں کے باوجود اس کی اس کمی کی وجہ سے

فرمایا کہ وہ عورت جہنمی ہے۔

اور دوسری عورت کا حال یہ ہے کہ وہ فرض نماز پڑھ لیتی ہے، فرض روزے رکھ لیتی ہے معمولی صدقہ جو میسر ہوتا ہے کر دیتی ہے، وہ نفلی نماز، روزے وغیرہ زیادہ نہیں ادا کر پاتی، البتہ اس کے اندر ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو اذیت اور تکلیف نہیں پہنچاتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی عبادات کی قلت کے باوجود اس کی اس خوبی کی بنا پر فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔

ایک اور حدیث میں پڑوسی کو اذیت پہنچانے والے کو ملعون قرار دیا گیا ہے، ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول میرا پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا ہے، دو یا تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ: جاؤ صبر کرو، پھر وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اپنا سامان نکال کر راستے پر رکھ دو، اس نے جا کر ایسا ہی کیا، اب کیا تھا جو وہاں سے گذرتا اس سے پوچھتا کہ کیا بات ہے؟ وہ بتلاتا کہ میرا پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے یہ حکم فرمایا ہے، یہ سن کر لوگ اس ایذاء دینے والے شخص کو برا بھلا کہنے لگے اور بددعا دینے لگے ”اللهم العنه، اللهم أخزه“ اے اللہ اس پر لعنت فرما، اے اللہ اس کو رسوا فرما، جب یہ باتیں اس شخص کو معلوم ہوئیں تو وہ اپنے پڑوسی کے پاس آ کر کہنے لگا کہ واپس چلو، بخدا اب میں تمہیں کبھی کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا، اور ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے اس شخص کو لعنت ملامت شروع کی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر بتایا کہ لوگ مجھ پر لعنت کر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے لعنت کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تم پر لعنت کر رکھی ہے، تو اس نے عرض کیا کہ اب آئندہ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ (مستدرک حاکم ۴/ ۱۶۵-۱۶۶، ابوداؤد ۲/ ۷۰۱)

کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ آج ہم مسلمان نماز، روزہ وغیرہ کی تھوڑی بہت پابندی کر کے اپنے آپ کو انتہائی دین دار اور پارسا سمجھنے لگتے ہیں اور ہماری اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ پڑوسیوں کے کتنے حقوق ہم سے پامال ہو رہے ہیں اور ہم اور ہمارے گھر کے افراد اپنے قول وفعل سے پڑوسیوں کو اذیت پہنچا کر جہنم کا کیسا سامان تیار کر رہے ہیں، جبکہ مومن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ہر شر سے اس کے پڑوسی مامون ومحفوظ ہوں۔

لائحۂ عمل

مصائب وحوادث کا علاج

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آج کل ہر طرف آلام ومصائب اور افکار وحوادث کا ہجوم ہے، مفلس اور متمول، مزدور اور سرمایہ دار جاہل اور عالم، مریض اور تن درست، محکوم اور حاکم، عوام اور خواص سب ہی ان سے متاثر ہیں اور سکونِ قلب اور طمانینتِ خاطر کسی کو بھی نصیب نہیں (الاماشاءاللہ) ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ پریشانی کی نوعیت مختلف ہے، کوئی تنگ دستی اور افلاس کا شکار ہے، کسی کی صحت خراب ہے، کوئی اولاد کی نالائقی اور بد اطواری سے پریشان ہے، کسی کو بیوی کے ناروا طرزِ عمل کی شکایت ہے، کوئی شوہر کی بدسلوکی سے نالاں ہے، کسی کو اقارب واحباب کے نامناسب برتاؤ کا شکوہ ہے اور کسی کو کوئی دوسری فکر اور پریشانی لاحق ہے، غرض یہ ہے کہ ؎

آماج گاہِ موجِ حوادث ہے آج کل
پتلا بنا ہوا ہے غم روزگار کا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصائب وحوادث سے کس طرح نجات ملے؟ اور سکونِ قلب کیسے حاصل ہو؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نزول حوادث ومصائب کا سبب کیا ہے؟ تا کہ اس کو دور کیا جا سکے، اس لیے کہ جب سبب دور ہو جائے گا تو مصائب اور حوادث سے خود بخود نجات مل جائے گی۔

یوں تو ہمارے بہت سے اصحاب فکر ونظر اور ارباب حل وعقد بھی اپنے اپنے علم وفکر کے مطابق آئے دن ان تدابیر کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے بھی بنی نوع انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات ملے اور فلاح وعافیت نصیب ہو۔ لیکن کیا وہ اپنی کوششوں میں کام یاب ہیں؟ اور یقیناً نہیں، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اصل مرض کی تشخیص اور ازالۂ مرض کی تجویز میں ٹھوکر کھائی، ان کی نظر صرف اسباب طبعیہ تک محدود رہتی ہے، اسباب اصلیہ تک نہیں پہنچتی، مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کر کے آبادی کے اضافے کو روک دیا جائے، زراعت کے جدید آلات استعمال کر کے اور کاشت کے نئے

نئے طریقے (جوترقی یافتہ ممالک میں رائج ہیں) اختیار کرکے مزروعہ زمین کی پیداوار بڑھائی جائے، صنعت وحرفت کی ترقی اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لیے نئے نئے کارخانے قائم کر لیے جائیں، سیلاب کو روکنے کے لیے بڑے بڑے مضبوط اور پختہ بند تعمیر کر لیے جائیں، حوادث اراضی کی روک تھام کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں، جرائم کے انسداد کے لیے سخت اور مؤثر قدم اٹھائے جائیں، تعلیم کی کمی اور بے روزگاری کو دور کردیا جائے، علاج کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کردی جائیں . . تو موجودہ تکالیف کا سد باب اور زندگی کا معیار بلند ہوجائے گا اور انسان خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔

ان تدابیر میں سے پہلی کے سوا اکثر وہ ہیں جو اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے جائز اور مستحسن ہیں اور انہیں ضرور اختیار کرنا چاہیے، لیکن یہاں ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے اور وہ یہ کہ یہ تمام تدبیریں ظاہر اور مادی ہیں اور مسلمان کے نقطہ نظر سے ہرگز کافی نہیں، قرآن وحدیث نے ہمیں اپنے مصائب اور مشکلات دور کرنے کا کچھ اور طریقہ بھی بتلایا ہے، افسوس ہے کہ مسئلے کا یہ پہلو ہماری نظروں سے اُوجھل ہوتا جارہا ہے۔ ان مادی وسائل کے اختیار کرنے کو کون منع کرتا ہے؟ اختیار کیجیے، ضرور کیجیے، لیکن یہ یاد رکھیے کہ صرف یہ وسائل اصل سبب کے ازالہ کے لیے کافی نہیں۔ نزول حوادث ومصائب کا سبب معلوم کرنے کے لیے جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسب ذیل آیات ہمارے سامنے آتی ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ روم، آیت ۴۱)

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں، تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے، تا کہ وہ باز آجائیں

لیکن کیا ہم اپنی بداعمالیوں سے باز آرہے ہیں؟ پھر جب سبب دور نہ ہو تو مسبب کیسے دور ہوسکتا ہے؟

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (سورہ شوریٰ، آیت ۳۰)

اور تم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں سے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرمادیتے ہیں۔

اللہ اللہ یہ سزا تو ہمارے بعض اعمال کی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف ہی فرماتے رہتے ہیں، اگر سارے گناہوں پر گرفت ہوا کرتی تو کہاں ٹھکانا تھا، چناں چہ خود ہی فرماتے ہیں: وَلَوْ يُؤَاخِذُ

اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَاتَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (سورہ فاطر، آیت ۴۵)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دار و گیر اور مؤاخذہ فرمانے لگتے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتے، لیکن وہ ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لیں گے۔

لٰہذا ہم کو اس کا علاج کرنا چاہیے اور وہ علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال سیئہ کو حسنات سے بدلا جائے اور گزشتہ گناہوں سے استغفار کیا جائے، واللہ! اس کے سوا ان بلاؤں کا کوئی علاج نہیں ؎

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کاش! ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ یہ بلائیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں اور ان کا علاج توبہ واستغفار، ترک معاصی اور دعا ہے۔ قرآن وحدیث میں مصائب کا جو اصل سبب اور ان کے ازالہ کی جو صحیح تدبیر بیان کی گئی ہے، اس سے صرف نظر اور روگردانی کرکے عقلائے زمانہ اصلاح حال کے لیے کتنی ہی اور کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں، راقم السطور کی ہی پیشین گوئی نوٹ کرلی جائے کہ ہرگز کام یاب نہ ہوں گے، مرض کی تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج کبھی کام یاب نہیں ہوسکتا اور عازم کعبہ اگر ترکستان کی طرف جانے والے راستہ پر چلنے لگے تو یہ یقین غلط نہیں کہ وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا، بلکہ اس سے بعید تر ہوتا چلا جائے گا۔ چناں چہ تجربہ شاہد ہے کہ جو غلط تدابیر اب تک اختیار کی گئیں ان کا انجام یہی ہوا کہ اصلاح کی جگہ فساد بڑھتا رہا اور حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

جب انسان صراط مستقیم سے بھٹک جائے اور عقل سے صحیح طور پر کام نہ لے تو اس کی رائے بھی غلط ہوگی اور عمل بھی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں، مثلاً اگر کسی علاقے میں سیلاب یا طوفان آجائے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ جائز ظاہری و مادی وسائل کو اختیار کرنے کے علاوہ، ہم گزشتہ گناہوں سے استغفار کریں، جو گناہ کررہے ہیں ان کو ترک کردیں اور آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع وزاری کے ساتھ ازالۂ مصائب کے لیے دعا کریں اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جائز اور بقدر وسعت وگنجائش زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔ لیکن

جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو یہ سیدھا اور صحیح علاج انسان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ سیلاب وطوفان سے متاثر ہونے والے افراد کی مالی مدد کرنے کے لیے مثلاً ورائٹی شو اور ایکٹرسوں کا میچ کراتا ہے اور ٹکٹ فروخت کرکے یا کسی دوسرے طریقہ سے، جو شرعاً ناجائز اور اللہ کو ناپسند ہو، رقم حاصل کرتا ہے اور اس طرح اپنی ہم دردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے گناہوں کو ترک کرکے، اللہ کو راضی کرنے کے بجائے، پھر گناہ کرکے اس کے مزید قہر کو دعوت دے۔ اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کرسکتا ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے۔

بہر حال سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، حقیقت یہی ہے کہ مصائب وحوادث (قحط، گرانی، پریشانی، بلاء وباء، تباہی وبربادی، ہلاکتِ جان ومال، امساکِ باراں، پیداوار میں کمی وغیرہ) کا سبب حق سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی، عدول حکمی اور معاصی (کثرتِ فواحش، زنا ومقدماتِ زنا، لواطت، ومقدماتِ لواطت، سود، شراب، ناپ تول میں کمی اور زکوٰۃ نہ ادا کرنا وغیرہ) کا ارتکاب ہے۔ جس خطہ زمین پر زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، رشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، قتل وغارت گری، اغوائے اغلام اور دوسرے فواحش ومعاصی کی کثرت ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اس کا قہر وغضب؟

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص تن درست ہے، صاحب اولاد ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، جس کے پاس کثیر دولت، شان دار مکانات، عمدہ اور نفیس ساز وسامان، بیش قیمت اور آرام دہ سواریاں اور ملازم وخدمت گار موجود ہیں اور جس کو جاہ واقتدار، حکومت وعظمت اور سیادت وقیادت حاصل ہے، وہ بہت خوش قسمت ہے اور اس کو سکون قلب حاصل ہے، یہ درست ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب راحت ہیں، لیکن عین راحت نہیں، اسباب راحت اور راحت لازم وملزوم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب راحت موجود ہوں وہاں راحت بھی ہو، دنیا اپنے غلط معیار کی بنا پر جن لوگوں کی ظاہری کام یابی اور کام رانی پر رشک کرتی ہے ان کے حالات کا قریب سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو انسان بعض اوقات یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ناز ونعمت، عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی بسر کرنے والے، طوفان رنگ وبو میں غرق ہوجانے والے اور اپنی زعمِ باطل میں نغمہ ورقص، جام وسبو سے زندگی کی تلخیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے، اپنے پہلو میں کس قدر بے چین اور بے قرار دل رکھتے ہیں اور زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے کس درجہ محروم اور نا آشنا ہیں، اسباب راحت کو لے کر کوئی کیا

کرے؟اس سے ثابت ہوا کہ اسبابِ راحت مقصود بالذات نہیں، مقصود بالغیر ہیں۔

پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس سے سکون قلب یقینی طور پر حاصل ہو جائے ؟اس کا جواب نہ سائنس دانوں کے پاس ہے، نہ ارباب علم وحکمت کے پاس، اس کا جواب بھی قرآن ہی میں ہے، چناں چہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (سورہ رعد، آیت ۲۸)

خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ہم تلاش کرتے ہیں سکون قلب کو اعلیٰ درجے کے ماکولات ومشروبات، ملبوسات ومسکونات، دولت وثروت میں، حکومت وسلطنت اور قیادت وامارت میں، حالاں کہ یہ دولت صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی جدو جہد اور سعی وکاوش سے اسباب راحت جمع کرنے میں کام یاب بھی ہو گئے، تب بھی بغیر ترک معاصی اور رجوع الی اللہ، تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے نہ تو آپ کو غم واندوہ سے نجات ملے گی اور نہ سکون خاطر نصیب ہوگا۔

اے کاش! تیرے دل میں اتر جائے میری بات

ہم اپنے لیے کون سا مال رکھیں؟

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سونے اور چاندی کے بارے میں آیت نازل ہوئی، تو لوگ کہنے لگے کہ: اب کون سا مال ہم اپنے لیے رکھیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں آپ حضرات کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات معلوم کرکے آتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کو تیزی سے ہانکتے ہوئے روانہ ہو گئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے، اور میں بھی پیچھے پیچھے تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: اللہ کے رسول! ہم اپنے لیے کون سا مال رکھیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان، اور ایسی ایمان والی بیوی رکھے جو دینی کاموں میں اس کا تعاون کرے۔ (ابن ماجہ شریف رقم ۱۸۵۶)

علمی تحقیق

پہلی قسط

ضعیف احادیث کی تشریعی حیثیت

سوال اور اس جواب

المجیب: مولانا محمد معاویہ سعدی

استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

محترم! ضعیف احادیث سے متعلق چند ضروری باتیں دریافت کرنی ہیں، امید ہے کہ اپنی تحقیق سے روشناس فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

واضح رہے کہ یہاں ضعیف احادیث سے وہی متبادر اصطلاحی معنی میں ضعیف روایات مراد ہیں یعنی وہ روایات جو صحیح (لذاتہ ،لغیرہ) اور حسن (لذاتہ ،لغیرہ) سے کم درجے کی ہوں۔ایسی روایات سے متعلق دریافت یہ کرنا ہے کہ:

۱—ایسی روایت کی بنیاد پر کسی قول وفعل کے بارے میں یہ یقین یا ظن غالب کرنا جائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قول یا فعل انجام دیا؟

۲—عوام کی محفل میں ایسی روایت سنانا، جبکہ یہ یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ وہ اس مضمون کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا قول وفعل قرار دیں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳—''القول البدیع'' کے آخر میں حافظ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں (جو مشہور بھی ہیں اور ضعیف روایات کی بحث میں عام طور پر ان کو بیان بھی کیا جاتا ہے)۔

سوال یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کا یہ موقف درست ہے؟ اور واقعۃً ضعیف حدیث کی روایت کرنے اور اس پر عمل کرتے وقت ان شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

۴—ضعیف حدیث کی بناد پر کسی عمل کو مستحب قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ہاں تو پھر واجب اور مکروہ احکام کیوں ثابت نہیں ہوتے؟

امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات دے کر ممنون فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دین ودنیا کے بہترین بدلے نصیب فرمائیں۔

مستفتی: عبدالرحمن مردان، کے پی کے، پاکستان

الجواب بعون الملک الوہاب، الملہم للصواب

آں محترم کی سہولت کے لیے ہر ہر سؤال کو علیحدہ علیحدہ نقل کر کے، سب کا الگ الگ جواب پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، و باللہ التوفیق، وھو المستعان

پہلا سوال اور اس کا جواب

ایسی روایت کی بنیاد پر کسی قول وفعل کے بارے میں یہ یقین یا ظنِ غالب کرنا جائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قول یا فعل انجام دیا؟

یہاں سب سے پہلے اصولی اور تمہیدی طور پر چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے:

اَلف: جو خبرِ واحد مصحوب بالدلائل (جس کے صدق پر سند سے قطعِ نظر خارجی دلیل)، یا محتف بالقرائن (جس کے صدق پر سند سے قطعِ نظر خارجی قرینہ) نہ ہو تو وہ جمہور سلف وخلف کے ہاں مفیدِ ''یقین'' نہیں ہوتی، بلکہ مفیدِ ''ظن'' ہوتی ہے۔ اور ''یقین'' و ''ظن'' کا فرق اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے۔

ب: پھر جس درجہ کی اس کی صحت ہوتی ہے، اسی درجہ کا ''ظن'' اس سے حاصل ہوتا ہے (بشرطیکہ کوئی علت، شذوذ اور تعارض وغیرہ نہ پایا جائے)، لہٰذا اگر اعلیٰ درجہ کی صحت ہوئی تو اس سے ایسا ''ظنِ غالب'' حاصل ہوتا ہے جو ''یقین'' کے قریب قریب ہوتا ہے، اور درمیانی درجہ کی صحت کی صورت میں ''عام ظن'' حاصل ہوتا ہے، اور معمولی صحت کی صورت میں ''ظنِ مغلوب'' حاصل ہوتا ہے۔

ج: اور یہ معلوم ہے کہ ''یقینیات'' و ''قطعیات'' کا اِنکار مکابرہ کہلاتا ہے، اور موجبِ کفر (یا مستلزمِ کفر) ہوتا ہے، جب کہ ''ظنیات'' کا یہ حکم نہیں ہوتا، بلکہ ''حاصل شدہ ظن'' کے اعتبار سے اُس پر کہیں ضلالت وگمراہی کا، کہیں فسق ومعصیت کا، اور کہیں خطا وغلطی کا حکم لگتا ہے، اور کہیں تو صرف خلافِ اَولیٰ اور خلافِ ادب ہی کا حکم لگایا جاتا ہے۔

د: جس طرح صحت کے درجات ہیں، جس کی وجہ سے ''حدیثِ صحیح'' کی فی الجملہ چار قسمیں بن جاتی ہیں (صحیح لذاتہ، ولغیرہ، اور حسن لذاتہ، ولغیرہ)، اسی طرح ضعف کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں، اور اسی لحاظ سے ''حدیثِ ضعیف'' کی بھی تین (یا چار) قسمیں بنتی ہیں۔

ھ :اسی پر بنا رکھتے ہوئے اس سے ثابت ہونے والے حکم کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کا مسئلہ طے ہوگا۔ لہٰذا جس ''خبرِ واحد'' میں معمولی ضعف ہوگا، اس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی زیادہ گنجائش ہوگی، اور جس قدر ضعف بڑھتا جائے گا یہ گنجائش کم ہوتی چلی جائے گی۔

مسئلہ کی پوری وضاحت کے لیے ''ضعیف'' کی چاروں قسموں کی مختصر توضیح و تنقیح بھی یہاں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حدیثِ ضعیف اور اس کے مختلف مراتب:

امام نوویؒ حدیثِ ضعیف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **الضعیف: وھو ما لم یجمع صفة الصحیح أو الحسن، ویتفاوت ضعفه کصحة الصحیح** (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ۱/۱۹۵)۔

حافظ ابن حجرؒ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرماتے ہیں: **قلت: لکن تلک القوة لا تُخرج ھذا الحدیث عن مرتبة الضعف، فالضعف یتفاوت** (الامتاع بالأربعین ص ۷۰)۔

اسی طرح کے نصوص کی روشنی میں ہمارے شیخِ اجازت فضیلۃ الاستاذ محمد عوامہ دامت برکاتہم نے ''حدیثِ ضعیف'' کے چار مراتب قائم فرمائے ہیں:

۱— حدیثِ ضعیف خفیف۔

۲— حدیثِ ضعیف متوسط۔

۳— حدیثِ ضعیف شدید۔

۴— موضوع (حاشیۃ قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۰۰-۱۰۱، وحکم العمل بالحدیث الضعیف ص ۳۲)۔

۱— ''حدیثِ ضعیف خفیف'' سے مراد وہ حدیث ہے جس کا مدار ایسے راوی پر ہو جس پر صرف ضبط کے پہلو سے معمولی کلام ہو، جیسے ''**فیه مقال**''، ''**لیّن الحدیث**''، یا ''**مجھول الحال**'' وغیرہ، یا ایسی سند جو رجالِ ثقات سے مروی ہو، مگر اس میں اِرسال، یا انقطاع، یا تدلیس پائی جاتی ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے بعض مواقع پر بظاہر ایسی ہی ''ضعیف'' کے لیے ''ضعیفِ متماسک'' کی تعبیر اِختیار فرمائی ہے (فتح الباری ۱۱۰)۔

یہ ’’ضعیف‘‘ ایسی ہے کہ بہت سی دفعہ اس کے ساتھ ’’حسن‘‘ کا معاملہ کرتے ہوئے اس سے اَحکام بھی ثابت کیے جاتے ہیں، کتبِ فقہ کے ساتھ ساتھ سننِ اربعہ، اور سننِ بیہقی وغیرہ میں بکثرت اس کی مثالیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔

اِمام احمدؒ وغیرہ ائمہ سے بعض روایات میں حدیثِ ضعیف پر عمل کی اِجازت منقول ہے، اور بعض میں ممانعت، دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے حافظ زرکشیؒ فرماتے ہیں :... **فقد سبق عن الإمام أحمد أنه لا يعمل بالضعيف في الحلال والحرام، فدل على أن مراده بالضعيف هنا غير الضعيف هناك، ولا شك أن الضعيف تتفاوت مراتبه** (النکت ۲/ ۳۱۳)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، اِمام احمدؒ کے مشہور قول ’’حدیثِ ضعیف میرے نزدیک رأی الرجال سے اَقوی ہے‘‘ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ووجهه: الاتفاق على أنَّهُ لا يُعدَلُ إلى القياسِ إلا بعدَ عدمِ النص، فإنْ قيلَ: هذا ليسَ بنصٍّ صحيحٍ، قلنا: أليسَ غايتهُ أنْ يكونَ من كلامِ النبي صلى الله عليه وسلم؟ ولا خلافَ حينئذٍ بينَ أحدٍ منَ المسلمينَ في وجوبِ العملِ بهِ؛ ما لم يَمنعْ مانعٌ، والقياسُ غايتُه أنْ يوافقَ الصوابَ، فيجيءَ الخلافُ في جوازه، ولا شَّك أنَّ احتمالَ كونِ النبي صلى الله عليه وسلم قالهُ أرجحُ منِ احتمالِ كونه ما أدّى إليهِ القياسُ، وأيضاً فالقياسُ - ولو وافقَ الصوابَ - لا يجوزُ أنْ يقالَ: إنّهُ قالَهُ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، بخلافِ الحديثِ الضعيفِ على تقديرِ صحتهِ، ولا فرقَ في هذا القولِ بينَ الأحكامِ وغيرها** (النکت الوفیۃ بما فی شرح الألفیۃ ۱/ ۲۶۹)۔

اِمام نوویؒ فرماتے ہیں: **قال العلماءُ من المحدّثين والفقهاءِ وغيرهم :يجوز ويُستحبّ العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف؛ ما لم يكن موضوعاً، وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يُعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن، إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا وردَ حديثٌ ضعيفٌ بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحبَّ أن يتنزّه عنه، ولكن لا يجب** (الأذکار ص ۸)۔
ووافقه الزركشي في ’’النكت‘‘ ۲/ ۳۲۱)۔

اِسی طرح حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں :**ویُعمل بالضعيف أيضاً في الأحكام، إذا كان فيه احتياط**(تدریب الراوی ۱/۳۵۱)۔

اِسی طرح بعض مرتبہ کوئی حدیث ظاہرِ سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتی ہے، مگر کبھی علماء کے تلقی بالقبول سے، اور کبھی امت کے تعامل، توارث اور تداول کی بنا پر اس کے اندر قوت آجاتی ہے (جیسا کہ اُصول کی کتابوں میں اس کی تحقیق مذکور ہے)۔ چنانچہ امام احمدؒ سے مختلف حدیثوں کے بارے میں منقول ہے کہ ”سند تو اس کی ضعیف ہے، مگر عمل اسی پر ہے“، ایک حدیث کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہوئے قاضی ابویعلی حنبلیؒ فرماتے ہیں:**قول أحمد ”ضعيف“، أي: على طريقة أصحاب الحديث، لأنهم يضعفون بما لا يوجب تضعيفه عند الفقهاء، كالإرسال، والتدليس، والتفرد بزيادة في حديث، وقوله: ”والعمل عليه“، معناه: طريقة الفقهاء**(العدّة في أصول الفقه ۳/۹۴۱،ونکت الزرکشی ۲/۳۱۶)۔

اِمام بیہقیؒ حضرت ابورافعؓ کی صلاۃ التسبیح والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:**وكان عبد الله ابن المبارك يفعلها، وتداولها الصالحون بعضهم من بعض، وفيه تقوية للحديث المرفوع**(شعب الایمان ۲/۱۲۴)۔

(حالانکہ ”صلاۃ التسبیح“ کی احادیث تو من حیث الاسناد بھی ”حسن“ کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں، مگر یہاں بظاہر امام بیہقیؒ کے پیشِ نظر صرف حضرت ابورافعؓ کی حدیث کی تقویت کا پہلو ہے۔ واللہ اعلم)

مذکورہ بالا اِن نصوص سے معلوم ہوا کہ ”حدیثِ ضعیف خفیف“ سے فی الجملہ اَحکام (حلال وحرام) کا بھی اِثبات کیا جاسکتا ہے، خصوصاً جب کہ اِحتیاط کا پہلو بھی اسی کا متقاضی ہو۔ (باقی آئندہ ان شاءاللہ)

ماہنامہ مظاہرعلوم سہارنپور

- تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کی ایک عظیم تحریک ہے۔
- خود بھی اس کے ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنا کر اس تحریک سے جوڑیں۔
- اس کے لئے مکمل پتہ انگریزی میں پن کوڈ نمبر کے ساتھ ارسال کریں۔
- اس کی سالانہ فیس/ 300 (تین سو روپئے) ہے۔

حاصلِ مطالعہ — ساتویں قسط

قرآن کریم میں مذکور تاریخی واقعات

مفتی عبداللہ سہارنپوری
متخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

قصہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ پہلے نبی ہیں جن کو ’’رسالت‘‘ سے نوازا گیا، صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت ہے، اس میں یہ تصریح ہے

یا نوح انت اول الرسل الی الارض اے نوح تو زمین پر سب سے پہلے رسول بنایا گیا۔

نسب نامہ

علم الانساب کے ماہرین نے حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ بن یارد بن مہلاییل اومہلائیل بن قینان اوقینن بن انوش بن شیث بن ادم ابوالبشر۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

قران کریم کا یہ اسلوب وطریقہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعے کو بیان کرتا ہے تو موعظت وعبرت کے حصے کو بیان کرتا ہے، چنانچہ اسی اسلوب بیان کے مطابق قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کا اجمالی وتفصیلی ذکر تینتالیس ۴۳ جگہ کیا ہے۔

قوم نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی، اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار بن چکا تھا۔

دعوت وتبلیغ اور قوم کی نافرمانی

آخر سنت اللہ کے مطابق ان کے رشد وہدایت کے لیے بھی انہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے

سچے رسول نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہِ حق کی طرف پکارا اور سچے مذہب کی دعوت دی، لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت وحقارت کے ساتھ انکار پر اصرار کیا، امراء اور روساءِ قوم نے ان کی تکذیب وتحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا، اور ان کے پیرووں نے انہی کی تقلید و پیروی کے ثبوت میں ہر قسم کی تذلیل وتوہین کے طریقوں کو حضرت نوح علیہ السلام پر آزمایا، انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا جس کو نہ ہم پر دولت اور ثروت میں برتری حاصل ہے، اور نہ وہ انسانیت کے رتبے سے بلند (فرشتہ) ہے، اس کو کیا حق ہے؟ کہ وہ ہمارا پیشوا بنے! اور ہم اس کے احکام کی تعمیل کریں! نیز جب وہ غریب اور کمزور افراد قوم کو حضرت نوح علیہ السلام کا تابع اور پیروکار دیکھتے، تو مغرورانہ انداز میں حقارت سے کہتے: ''ہم ان کی طرح نہیں ہیں کہ تیرے تابع فرمان بن جائیں، اور تجھ کو اپنا مقتدی مان لیں''۔

وہ سمجھتے تھے یہ کمزور اور پست لوگ نوح کے اندھے مقلد ہیں، نہ یہ ذی رائے ہیں کہ ہماری طرح اپنی جانچی پرکھی رائے سے کام لیتے، اور نہ ذی شعور ہیں کہ حقیقتِ حال سمجھ لیتے، اور اگر وہ حضرت نوح کی بات کی طرف کبھی توجہ بھی دیتے تو ان سے اصرار کرتے: کہ پہلے ان پست اور غریب افراد قوم کو اپنے پاس سے نکال دیں، تب ہم تیری بات سنیں گے، کیونکہ ہم کو ان سے گھن آتی ہے اور ہم اور یہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے، حضرت نوح علیہ السلام اس کا ایک ہی جواب دیتے: کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خدا کے مخلص بندے ہیں، اگر میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہش مند ہو، تو خدا کے عذاب سے میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، میں اس کے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں، اس کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، امیر وغریب کا وہاں کوئی سوال نہیں ہے۔

نیز ارشاد فرماتے کہ میں تمہارے پاس خدا کی ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں، نہ میں نے غیب دانی کا دعوی کیا ہے اور نہ فرشتے ہونے کا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر اور رسول ہوں، اور دعوت وارشاد میرا مقصد اور نصب العین ہے، اس کو سرمایہ دارانہ بلندی، غیب دانی، یا فرشتہ ہونے سے کیا واسطہ؟ یہ کمزور اور نادار افرادِ قوم جو خدا پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں، تمہاری نگاہ میں اس لیے حقیر اور ذلیل ہیں کہ وہ تمہاری طرح صاحب دولت اور مالدار نہیں ہیں، اور اسی لیے تمہارے خیال میں یہ نہ خیر حاصل کر سکتے ہیں اور نہ سعادت! کیونکہ یہ دونوں چیزیں دولت وحشمت کے ساتھ ہیں نہ کہ نکبت اور افلاس کے ساتھ۔ سو واضح رہے کہ خدا

کی سعادت اور خیر کا قانون ظاہری دولت وحشمت کے تابع نہیں، اور نہ اس کے یہاں سعادت اور ہدایت کا حصول وادراک سرمایہ کی رونق کے زیرِ اثر ہے، بلکہ اس کے برعکس طمانیتِ نفس، رضاءِ الٰہی، غناءِ قلب اور اخلاصِ نیت وعمل پر موقوف ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بھی بار بار تنبیہ کی کہ مجھ کو اپنی اس ابلاغ اور دعوت اور ارسال ہدایت میں نہ تمہارے مال کی خواہش ہے نہ جاہ ومنصب کی، میں اجرت کا طلبگار نہیں ہوں، اس خدمت کا حقیقی اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور وہی بہترین قدردان ہے۔

بہرحال حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آجائے، مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا، اور ایذاء رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا، اور ان کے بڑوں نے عوام سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم کسی طرح ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے بتوں کی پرستش نہ چھوڑو۔ یہی وہ مباحث ہیں جن کو سورہ نوح میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جو بلاشبہ ہدایت وضلالت کے مہم مسائل کو آشکارا کرتے ہیں۔ (نوح) (ملخصاً من قصص القرآن)۔۔جاری۔۔

وفیات نمبر کے بارے میں

ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کی خصوصی اشاعت ’’وفیات نمبر‘‘ میں ۲۰۲۰ء سے بعد تک کے وفات پانے والے اصحابِ علم وفضل کے تذکرے اور علمی ودینی خدمات پر مشتمل ہے۔

لاک ڈاؤن کے زمانہ میں حالات کی وجہ سے ماہنامہ مظاہر علوم کی جو اشاعتیں موقوف رہ گئی تھیں دراصل یہ خاص اشاعت اس کے بدل کے طور پر ہے۔

اس لئے ماہنامہ مظاہر علوم کے اُن ممبران سے درخواست ہے جو ۲۰۲۰ء میں باقاعدہ اس کے خریدار تھے کہ وہ مبلغ تیس روپئے کا محصول ڈاک بھیج کر اپنا رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک منگالیں، سادہ ڈاک سے ارسال کرنے میں اس اہم اشاعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

کسی بھی طرح کی معلومات کے لئے بذریعہ واٹس ایپ رابطہ کریں۔

مولانا عبد اللہ خالد قاسمی خیرآبادی 7895886868

مولانا ذاکر حسین مظاہری 9411899044

شانِ مسلمان گذشتہ سے پیوستہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مولانا مفتی محمد حیان بیگ
استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف آزمائشوں کا آنا

خدا تعالیٰ وسعت سے زیادہ اپنے بندوں پر بوجھ نہیں ڈالتا

ارشادِ باری ہے: **لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعها، لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت، ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا، ربنا ولا تحمل علینا إصرًا کما حملته علی الذین من قبلنا، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به، واعف عنا واغفر لنا وارحمنا، انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین** (سورۃ البقرۃ ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا، جو وہ نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا، اور جو بد عملی کرے گا اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا، (مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کیا کرو کہ:) اے ہمارے پرودگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے، اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو، اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیے، ہمیں بخش دیجیے، اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ ہی ہمارے حامی وناصر ہیں، اس لیے کافر لوگوں کے مقابلے ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ خدا تعالیٰ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس قدر شفیق اور مہربان ہیں کہ وہ طاقت اور وسعت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں بناتے، اور نہ ہی وہ کسی کو ایسی آزمائش میں ڈالتے جو اس کے بس سے باہر ہو، بلکہ جو مصیبتیں آتی ہیں وہ دراصل بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہیں، اور اس سے گناہ معاف، اور درجات بلند ہوتے ہیں حدیثِ پاک میں ارشاد ہے: **عن أبي هريرة عن النبي** ﷺ **قال: ما يصيب**

المسلم من نصب ولا وصب، ولا هم ولا حزن، ولا أذى ولا غم، حتى الشوكة يشاكها إلا كفر اللّٰہ بها من خطاياه۔ (صحیح البخاری، رقم ۵۶۴۱)

مسلمان کو جو بھی پیش آئے: مصیبت، بیماری، رنج وملال، غم وپریشانی، حتی کہ چبھنے والا کانٹا بھی، اللہ پاک اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کردیتا ہے۔

اسی طرح اس آیت میں خدا تبارک وتعالی نے مؤمنین کو ایک بڑی قیمتی دعا تعلیم فرمائی ہے، جس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے، اس دعاء کو صبح وشام مانگنا چاہیے، اس میں اللہ پاک سے رحم، مغفرت، عفوودرگذر کی درخواست کی گئی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات اور آیت الکرسی کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو رات میں سورۂ بقرہ کی یہ دونوں آیات پڑھ لے اس کا بال بیکا نہیں ہوگا، ایک روایت میں آتا ہے کہ: یہ دعاء شبِ معراج میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربِّ کریم سے مانگی، اور اس دعاء کے ہر ہر جملے پر خدا تعالی کی طرف قبولیت کا وعدہ کیا گیا، ایک روایت میں یہ وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعاء کو پڑھتے تھے تو فرشتے آمین کہتے۔

امتِ محمدیہ پر اللہ رب العزت کا خصوصی انعام ہوا ہے، سابقہ امتوں کے بالمقابل اس آخری امت کے ساتھ بڑی آسانی اور تخفیف کا معاملہ کیا گیا ہے، سابقہ امتوں کو جن احکام کا مکلف بنایا گیا تھا اس کا تحمل بھی بڑا دشوار تھا، اور غلطیوں پر اللہ کی طرف سے ان کی پکڑ بھی بڑی شدید ہوا کرتی تھی، حتی کہ ان میں سے بعض کو سزا کے طور پر بندروں اور خنزیروں کی شکل کا بنا دیا گیا تھا۔

کفار ومشرکین اہلِ ایمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں شیطانی گروہ کے کارندوں نے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائی ہو، لیکن ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اسلام کا کچھ نہیں بگڑا؛ بلکہ اسلام کا آوازہ ہر دن ہر لمحہ پھیلنے کو ہے، کفر کے ایوان نعرۂ تکبیر سے پر شور ہو رہے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن		پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ارشادِ خداوندی ہے:لن یضروکم إلا أذی، وإن یقتلکوکم یولوکم الأدبار، ثم لا ینصرون۔ ضربت علیهم الذلة أینما ثقفوا إلا بحبل من اللّٰه وحبل من الناس، وباءوا بغضب من اللّٰه وضربت علیهم المسکنة، ذلک بأنهم کانوا یکفرون بآیات اللّٰه ویقتلون الأنبیاء بغیر حق، ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون (آلِ عمران ۱۱۲)

وہ تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو پیٹھ دکھا جائیں گے، پھر ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، الا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے (جو ان کو سہارا دیدے)، انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔ اور ان پر محتاجی مسلط کردی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ نافرمانی کرتے تھے، اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے۔

سورۂ آلِ عمران کی ان دو آیاتِ کریمہ میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے اہلِ اسلام کو یہ تسلی دی ہے کہ یہ یہود ونصاری، کفار ومشرکین، منکرین وملحدین اسلام کو ہرگز کبھی کوئی بڑا یا پائیدار نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، نہ ہی اسلام کو پھیلنے سے روک سکیں گے، البتہ زبان سے اذیت دیں گے، شکست خوردہ دشمن جب کِھسیاتا ہے، اور مدِّ مقابل کی شان وشوکت دیکھ کر تلملا اٹھتا ہے تو زبانی جمع خرچ کر کے اپنی بھڑاس نکالنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

دجالی میڈیا اس دور میں جو رات دن اسلام مخالف پروپیگنڈہ کر رہا ہے یہ بھی اسی کا غماز ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت خود ان کے گھروں سے، ان کے قبیلوں اور کنبوں سے اسلام کے محافظین پیدا کرتا رہا ہے، چنانچہ اس آیتِ کریمہ کا بھی شانِ نزول کچھ اسی طرح ہے، روایت میں آتا ہے کہ جب عبد اللہ بن سلام جو یہودیں سے تھے اسلام لائے اور ان کے ساتھ بعض ان کے اصحاب بھی مشرف باسلام ہوئے تو یہ یہود بڑے چراغ پا ہوئے اور بوکھلاہٹ میں اپنے ایمان لانے والے ساتھیوں کو لعن طعن کرنے لگے۔

آج کے دور کے مسلمانوں کو بھی یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان دشمنانِ دین کی انتھک کوششوں کے باوجود بھی اسلام یونہی پھیلتا رہے گا، اور بحمد اللہ پھیل بھی رہا ہے، یورپ اور دنیا بھر کے بہت سے دیگر

ممالک میں اہلِ توحید کی تعداد روز افزوں ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

اسی آیت میں ایک حقیقت یہ بھی بیان فرمادی کہ اگر مسلمان واقعی مسلمان ہوں تو یہ دشمن کبھی ان کا سامنا نہیں کرسکیں گے، پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، آپ اسلامی فتوحات کا جائزہ لیں گے تو یہ حقیقت آپ کے سامنے روشن ہوجائے گی، ہر دور میں ایمانی طاقت سے لبریز اسلام کے سپاہیوں نے دشمنوں کے دانت کھٹے کیے ہیں اور انہیں ایسا چھٹی کا دودھ یاد دلایا ہے کہ جسے یہ کبھی فراموش نہیں کر سکے۔

اس حقیقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ عظیم کی بہت سی آیات میں بیان کیا ہے، سیرت وتاریخ کی کتابیں اس طرح کے ایمان افروز ولولہ انگیز واقعات کے ذکر سے بھری ہیں۔

سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ بالا دوآیتوں میں سے آخر الذکر آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان دشمنانِ اسلام خاص کر یہود پر خدا تعالیٰ کی جانب سے تین چیزیں ایسی مسلط ہیں کہ جس سے انہیں مفر نہیں:

۱ــ ذلت: جہاں بھی رہیں گے ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے، مستقل طور پر کبھی آسودہ نہیں ہوں گے، اور اگر اسلامی مملکت میں رہیں گے تو جزیہ دیں گے۔

۲ــ غضبِ الٰہی: اپنے کفر وشرک، عناد وسرکشی کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوں گے، ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے بڑھ کر اور کیا سزا ہوسکتی ہے، اس محرومی، بدنصیبی بھی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے!

۳ــ لاچارگی: ان پر محتاجی اور لاچارگی کے آثار نمایاں رہیں گے، خواہ ان کے پاس کتنا ہی مال ودولت کیوں نہ ہو پھر بھی مسکین نظر آئیں گے۔

ان سزاؤں کی وجہ ظاہر ہے کہ خود ان ہی کے کرتوت ہیں: قرآنِ کریم نے اس موقع پر اس سزا کی تین وجوہات بیان کی ہیں: ایک تو اللہ کی ظاہر وباہر نشانیوں کو جھٹلانا، انکار کرنا۔ دوسری: اہلِ حق، انبیاء وصلحاء کا ناحق خون بہانا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: یہود نے ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو شہید کیا ہے،

اوراس قدر بے غیرت تھے کہ دن میں انبیاء کوقتل کرتے، اورشام میں اپنے بازار بھی لگاتے، خرید وفروخت بھی کرتے، ان کے کانوں پرجوں تک نہ رینگتی۔(لعنھم اللّٰہ)

۳— نافرمانیاں کرنا، اللہ کے حکموں کو پامال کرنا۔

۴— تمام حدود کوتجاوز کرنا، ظلم وسرکشی، نافرمانی، ہٹ دھرمی میں انتہاء کو پہنچنا۔

البتہ یہ یہود چند صورتوں میں مامون ہوسکتے ہیں: خدا تعالی کے قانون کی طرف سے انہیں امن مل جائے، جیسے نابالغ بچے، عورتیں، یا ایسے عبادت گذار جو مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک نہیں ہوتے توان سے قتال نہیں کیا جائے گا، یا یہ کہ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرلیں یا جزیہ دے کر مامون ہوجائیں، یا دوسری قوموں کی پشت پناہی حاصل کریں، جیسے اسرائیل کو مغربی ممالک کا تعاون حاصل ہے، ورنہ تو بہرصورت ذلیل خوارہوں گے۔(جاری)

خدایا میں تیرا کرم چاہتا ہوں

خدایا میں تیرا کرم چاہتا ہوں
تری رحمتیں دم بدم چاہتا ہوں

نہ دنیا کے جاہ و حشم چاہتا ہوں
رضا تیری، تیری قسم چاہتا ہوں

ملے قبر میں مجھ کو آرام و راحت
تو رہ جائے میرا بھرم، چاہتا ہوں

مرے دل میں خوفِ خدا جاگزیں ہو
اسی خوف میں آنکھ نَم چاہتا ہوں

زباں اور دل غرقِ توحید عارفؔ
نکلتے ہوئے اپنا دم چاہتا ہوں

کلام: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی

حاصلِ مطالعہ دوسری قسط

دفاعِ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی

مفتی محمد جابر میواتی
استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

پہلا اعتراض

مخالفین کی طرف سے امام اعظم ابوحنیفہؒ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، اُن میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ آپ علمِ نحو اور علوم عربیہ میں قلیل الباع تھے، عربی بول چال میں غلطی کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے امام غزالیؒ کی طرف منسوب کر دیا کہ وہ امام اَبوحنیفہؒ کو مجتہد نہیں مانتے، کیونکہ وہ لغت اور حدیث کے ماہر نہیں تھے۔ ابن الوزیر صنعانیؒ (ت ۸۴۰ھ) نے ''**العواصم و القواصم فی الذب عن سنة أبی القاسم**'' (۸۲/۲) میں اس پر مضبوط رد فرمایا ہے، اور امام غزالیؒ کی طرف اس کی نسبت کو غلط ثابت کیا ہے۔

ابن خلکانؒ (ت ۶۸۱ھ) ''وفیات الأعیان'' (۴۱۳/۵) میں فرماتے ہیں: ''**ولم یکن یُعاب بشيء سوی قلة العربیة**''، اور اِس کی تائید کے لیے عامۃً ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ اَبوعمرو بن العلاء بصری نحوی نے آپ سے قتل بالمثقل کے سلسلہ میں سوال کیا کہ اس میں قصاص ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ قصاص نہیں، اس پر اَبوعمرو نے کہا کہ چاہے وہ منجنیق کے پتھر سے قتل کرے تب بھی قصاص نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''**ولو قتله بأبا قبیس**'' یعنی اگرچہ اس کو مکہ مکرمہ کے مشہور پہاڑ اَبوقبیس سے قتل کرے۔ مشہور نحوی ضابطہ کی رو سے ''بأبی قبیس'' ہونا چاہئے، کیونکہ اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب حالتِ جری میں یاء کے ساتھ ہوتا ہے۔

جواب: امام اَبوحنیفہؒ نے قدیم فصحائے عرب کا دور پایا ہے، اُس وقت اکثر لوگ موروثی طور پر عربیت کے ماہر ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُس دور کے کبارِ محدثین و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین میں سے اکثر حضرات باقاعدہ علوم عربیہ کو اپنا مشغلہ نہیں بناتے تھے، اِس لیے امام صاحب کے بارے میں قلیل العربیہ ہونے کا الزام بے بنیاد ہے۔

رہی وہ حکایت جو اَبُوعمر والبصری سے نقل کی جاتی ہے، تو اس کے متعدد جوابات دئے گئے ہیں:

اول: یہ کہ امام صاحبؒ کی طرف اِس قصہ کی نسبت ہی صحیح طور پر ثابت نہیں، کہ جس کی بنیاد پر اُن پر کوئی زد پڑے، اگر امام صاحبؒ سے یہ جملہ صادر ہوا ہوتا تو اُن کے مسائل، فتاوی اور وصایا وغیرہ کی طرح مشہور ہوتا۔ علامہ زاہد کوثریؒ "تأنیب الخطیب" (ص ۴۱) پر فرماتے ہیں کہ : یہ قصہ کسی معتبر سند سے ثابت نہیں ہے، سب سے پہلے جاحظ بصری معتزلی (ت ۲۵۵ھ) نے اس کو اپنی کتاب "البیان والتبیین" (۲/۱۴۶) میں بغیر کسی سند کے ذکر کیا ہے، اور ادب وغیرہ کی کتابوں میں عموماً چھان پھٹک کم ہوتی ہے۔ ابن الوزیر صنعانیؒ (ت ۸۴۰ھ) "العواصم والقواصم" (۲/۸۷) پر لکھتے ہیں: "إن هذا يحتاج إلى طريق صحيحة، وإن ثبت بطريق صحيحة، فإنه لم يشتهر ولم يصح كصحة الفتيا عنه، وتواتر علمه، وليس يقدح في المعلوم بالمظنون"۔

دوم: اور اگر امام صاحب سے اِس جملہ کو ثابت بھی مان لیں تو بھی یہ کوئی لحنِ شدید اور ایسی غلطی نہیں جو موجبِ رد وقدح ہو، اور جس کی بناء پر قلیل العربیہ ہونے کا الزام عائد کردیا جائے، ابن الوزیر صنعانیؒ نے "العواصم" (۲/۸۸) پر لکھا ہے "أنا لو قدرنا أن ذلك صح عنه بطريق معلومة لم يقدح به، لأنه ليس بلحن، بل هو لغة صحيحة حكاها الفراء عن بعض العرب"۔ ابن أبي العوامؒ (ت ۳۳۵ھ) نے "فضائل أبي حنيفة" (۲۰۲) میں یوسف بن خالد سمتیؒ سے نقل کیا ہے کہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ڈھائی سال رہا ہوں، میں نے کبھی بھی اُن کو غلطی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے ایک حرف کے، اُس میں بھی اہلِ لغت گنجائش بتاتے ہیں۔

اہلِ لغت کی طرف سے گنجائش کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ لفظِ "اب" کو حالتِ جری میں الف کے ساتھ پڑھنے میں امام صاحب متفرد نہیں ہیں، بلکہ عطاء بن أبي رباح اور عبداللہ بن عباسؓ بھی اسی طرح پڑھتے تھے، اور اُن کی فصاحت وبلاغت میں کون شک کر سکتا ہے! جیسا کہ ابن حمدون بغدادیؒ (ت ۵۶۲ھ) نے "التذكرة الحمدونية" (۷/۲۶۶) میں نقل کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہ منقول ہے، چنانچہ "صحیح بخاری" (رقم ۳۹۶۹) میں جنگِ بدر سے متعلق حدیث میں اُن کا جملہ ہے: "أنت أبا جهل؟"، اس کی شرح میں علامہ کرمانیؒ (ت ۷۸۶ھ) "الكواكب الدراري" (۱۵/۱۶۰) میں لکھتے ہیں: أو على مذهب من يقول: ولو ضربه بأبا قبيس (بخاری شریف رقم ۳۵۶۷) میں

حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے: **ألا یُعجبك، أبا فلان جاء**، اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، جس کی تاویل شراح نے یہی کی ہے۔

۲— ابن حمدونؒ، ابن خلکانؒ اور محقق کوثریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عرب کے بہت سے قبائل کی لغت میں لفظِ "أب" کو جبکہ وہ ضمیرِ متکلم کی طرف مضاف نہ ہو، الف کے ساتھ ہی استعمال کیا جاتا ہے، حُنین بن نِزار، قیس عَیلان، بنی الحارث بن کعب، زُبید، مراد، بلعنبر، بلحارث، خثعم اور ہمدان وغیرہ متعدد قبائلِ عرب کی یہی لغت ہے، اور یہی بعض کوفیین کی بھی لغت ہے، جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں۔

مشہور نحوی و ادیب ابوالبرکات انباری (ت ۵۷۷ھ) اپنی کتاب "**الإنصاف في مسائل الخلاف بین النحویین البصریین والکوفیین**" (۱/۱۸) میں لکھتے ہیں کہ بعض اہلِ عرب "**هذا أباك، ورأیت أباك، ومررت بأباك**" تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ بولتے ہیں، گویا اس کو "عصا، قفا" وغیرہ کی طرح اسم مقصور بناتے ہیں۔ یاقوت حمویؒ (ت ۶۲۶ھ) نے "معجم البلدان" (۱/۸۱) میں لکھا ہے کہ اہلِ عرب اس کو دونوں طرح پڑھتے ہیں، تینوں حالتوں میں الگ اعراب کے ساتھ، اور "عصا، قفا" کی طرح اسم مقصور بنا کر، اور یہ کوئی غلطی نہیں ہے۔ اور اس پر بطورِ استشہاد ابوالنجم عجلی یا روبۃ بن العجاج کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

إن أباها وأبا أباها		قد بلغا في المجد غایتاها

۳— بعض لوگ فرماتے ہیں کہ "**أبا قبیس**" مکمل ایک نام ہے، جو اسی طرح رکھا گیا ہے، یہ کنیت نہیں ہے، لہٰذا ایک مستقل لفظ کی طرح ہو گیا، عوامل کے بدلنے سے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔ ابن حمدون بغدادیؒ (ت ۵۶۲ھ) نے "**التذکرة الحمدونیة**" (۷/۲۶۶) میں اس کو احسن قرار دیا ہے۔

سوم: اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لحن اور غلطی ہے، تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ قلیل العربیہ اور علومِ عربیہ سے نابلد ہو جائیں، ابن الوزیر صنعانیؒ (ت ۸۴۰ھ) "العواصم والقواصم" (۲/۸۸) میں لکھتے ہیں:

"**سلمنا أن هذا لحن لا وجه له، فإن کثیراً ممن یعرف العربیة قد یتعمد اللحن، وقد یتکلم العربي بالعجمیة، ولا یقدح هذا في عربیته، وهذا مشهور**" کہ اگر مان بھی لیا کہ یہ غلطی ہے، پھر بھی یہ امام صاحبؒ کی عربیت میں عیب نہیں ہے، کیونکہ بہت سے اہلِ عرب غلطی کر دیتے ہیں، عجمی زبان بھی بول دیتے ہیں، یہ ایک معروف و مشہور بات ہے۔

تقی الدین غزی حنفیؒ (ت ۱۰۱۰ھ) ''الطبقات السنیۃ'' (۱/۱۱۶) میں فرماتے ہیں کہ اہل لغت اور ماہرینِ علوم عربیہ میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ اگر کسی نے کوئی غیر فصیح کلمہ بول دیا، اور اس کو کسی کتاب وغیرہ میں نہیں لکھا، تو وہ لحّان اور قلیل العربیہ ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہی ہے تو امام شافعیؒ جن کو بابِ لغت میں سب حجت مانتے ہیں، وہ اپنی کتابوں میں ''ماء مالح'' استعمال کرتے ہیں، حالانکہ وہ ''ماء ملح'' کے مقابلہ میں شاذ ہے، اکثر اہلِ لغت نے اس کا انکار کیا ہے۔ اُن پر قلیل العربیہ ہونے کا الزام کیوں نہیں لگایا جاتا!!!

اِس پوری تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ امام صاحبؒ پر یہ اعتراض بے جا اور بے محل ہے۔

جنت میں لے جانے والا عمل:

ہر مومن جنت میں جانے کا خواہش مند ہے اور چاہتا ہے کہ معمولی عمل کرنے پر مجھے جنت مل جائے، جنت میں جانے کا قوی ترین ذریعہ تقویٰ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کہ جنت میں لے جانے والے اعمال کون کون سے ہیں، آپ نے فرمایا: تقوی، اور خوش خلقی، (خندہ پیشانی اور ہنس مکھ رہنا) اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: پیٹ اور شرمگاہ۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْثَرِ مَایُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّۃَ، قَالَ: اَلتَّقْوٰی وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَسُئِلَ عَنْ اَکْثَرِ مَایُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ اَلْاَجْوَفَانِ: اَلْفَمُ وَالْفَرَجُ، (مستدرک حاکم ۴/۳۶۰)

بہشت نشیں

ایک قابل احترام رفیق کی رحلت

مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

تعلیمی سفر میں ہر استاذ محسن، قابل احترام اور قابل تعظیم ہوتا ہے مگر بعض اساتذہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی شفقت ومحبت اور ذرہ نوازی طالب علم کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، میرے ایسے ہی اساتذہ میں ایک اہم نام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحبؒ کا ہے جن کی کرم فرمائیوں کا قرض پوری زندگی ادا نہیں ہوسکتا، مظاہر علوم سے وابستگی میں حضرت مفتی صاحبؒ کی خاص عنایت شامل رہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحبؒ کے تین صاحبزادے ہوئے، حضرت مولانا محمد سلمان صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد خالد صاحب، اور حضرت مولانا محمد صاحب، تینوں ہی ماشاء اللہ حافظ عالم اور مظاہر علوم کے بڑے اساتذہ میں ہیں۔

ان میں سے اول الذکر استاذ محترم حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہر علوم کے بہترین اور کامیاب ومقبول استاذ ہونے کے ساتھ کامیاب ترین ناظم ہوئے، لاک ڈاؤن کے زمانہ میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد خالد صاحب ہیں جو ۲۴؍رمضان ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۲۴ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ سردست انہیں سے متعلق کچھ لکھنا ہے۔

میرا تعلیمی سفر مظاہر علوم میں شوال ۱۴۰۸ھ/مئی ۱۹۸۸ء سے شروع ہوا۔ اور شوال ۱۴۱۴ھ/مارچ ۱۹۹۴ء سے ملازمت کی ابتداء ہوئی اس وقت سے لے کر اب تک حضرت مفتی محمد خالد صاحب سے رفاقت رہی، رفاقت کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ شعبہ ایک، کام ایک، بیٹھنا ایک ساتھ ورنہ وہ تو میرے لئے ہر اعتبار سے بڑے اور قابل تعظیم تھے۔

۲۳؍محرم ۱۳۷۱ مطابق ۲۶؍اکتوبر ۱۹۵۱ء میں آپ کی ولادت ہوئی، شعبان ۱۳۷۶ھ/مارچ

۱۹۵۷ء میں ابتدائی تعلیم کی ابتداء ہوئی پھر حفظ قرآن پاک کیا اور رجب ۱۳۸۴ھ/نومبر ۱۹۶۴ء میں تکمیل ہوئی۔ بعدازاں عربی کی تعلیم کیلئے مظاہرعلوم میں داخلہ لیا اور پھر شعبان ۱۳۹۳ھ/ستمبر ۱۹۷۳ء میں دورہ سے فراغت حاصل کی، بعدۂ ایک سال مزید تعلیم میں لگایا اور پھر شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق اگست ۱۹۷۶ء میں مظاہرعلوم کے شعبہ ترتیب فتاویٰ میں مبلغ ۱۵۰/روپئے مشاہرہ پر آپ کا تقرر ہوا اس وقت سے لے کر تادم آخریں مظاہرعلوم ہی سے وابستہ رہے، مظاہرعلوم کے ارباب فتاویٰ میں سب سے وقیع نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مکیؒ کا ہے، چنانچہ اکابر مدرسہ کے حکم کے مطابق آپ نے فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی نگرانی میں حضرت سہارنپوریؒ کے فتاویٰ کو مرتب فرمانا شروع کیا، اس کے ساتھ کچھ اسباق بھی متعلق رہے، بہرحال نہایت عرق ریزی اور محنت کیساتھ اس کو مرتب کیا اور جابجا اس پر حواشی بھی لکھے، پھر من جانب مدرسہ بہت اہتمام سے ''فتاویٰ خلیلیہ'' کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

ترتیب فتاویٰ کا کام کتنا مشکل ہے اس کو اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں بالخصوص جس زمانہ میں حضرت مفتی صاحب نے اس کام کو انجام دیا ہے۔

مظاہرعلوم میں آپ نے کون، کون سی کتابیں پڑھائیں اس کی تفصیل تو کہیں نہ مل سکی البتہ بندہ نے جب سے دیکھا اس وقت سے لے کر آخر تک ترجمۂ قرآن پاک پڑھاتے دیکھا ایک طویل عرصہ تک پڑھانے کے باوجود بلاناغہ روزانہ بہت اہتمام سے مطالعہ کرتے، مختلف تراجم کیساتھ ساتھ تفسیر کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتیں، مثلاً جلالین شریف، تفسیر مظہری، تفسیر حقانی وغیرہ، اس لئے سبق میں مفسرین کے اقوال بھی بکثرت ذکر کرتے، گرچہ آپ کا تقرر مرتب فتاوی کے عہدہ پر تھا مگر اس ناچیز نے جب سے دیکھا تو حضرت مفتی صاحب کو نقل فتاویٰ کرتے ہوئے دیکھا، فتاوی خلیلیہ کے بعد سے اب تک فتاویٰ مظاہرعلوم کا کوئی اور مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ ارباب انتظام نے اب اس پر توجہ دی ہے امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی ترتیب واشاعت کا کام شروع ہوجائے۔

اس تیس سالہ رفاقت میں بندہ نے حضرت مفتی صاحب موصوف کی چند ایسی صفات دیکھی ہیں جو لائق تحسین ہونے کیساتھ ساتھ لائق تقلید بھی ہیں۔

پہلی بات جو دیکھی وہ آپ کی سادگی اور کفایت شعاری تھی۔ رہن سہن، لباس و پوشاک میں کوئی

تکلف نہ تھا اسی طرح خرچ میں بھی انتہائی کفایت شعاری سے کام لیتے، سوچ سمجھ کر ضرورت کے مطابق ہی خرچ کرتے اور یہ ایک ایسی عمدہ صفت ہے جو انسان کو خوددار اور دل کا غنی بنا دیتی ہے ایسے انسان کو کبھی کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آتی۔

دوسری چیز قرآن کریم سے عشق، درس کے لئے اس کا مطالعہ تو رہتا ہی تھا، اس کی تلاوت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، چوبیس گھنٹے میں کتنی تلاوت کرتے اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہے، ہمیشہ بندہ نے دیکھا کہ دارالافتاء آتے ہی اولاً حسب موقع قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، پھر کسی اور کام میں مشغول ہوتے، اس کثرت تلاوت کی برکت سے قرآن پاک اتنا پختہ یاد تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ بندہ کو جب بھی کسی آیت کے متعلق معلوم کرنا ہوتا تو ایک دو لفظ سنتے ہی فوراً پارہ، سورت رکوع حتی کہ دائیں صفحہ پر ہے یا بائیں پر اوپر ہے یا نیچے یہ سب بتا دیتے یہ سب برکت تھی کثرت تلاوت کی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔ روانگی بہت تھی مگر بالکل صاف اور واضح پڑھتے کہ سننے والا ھل من مزید کی طلب لگائے بیٹھا رہتا۔

شہر کی ایک مسجد میں آپ نے ایک عرصہ تک امامت بھی فرمائی اور رمضان المبارک میں پابندی کے ساتھ تراویح میں قرآن پاک سنانے کا معمول تھا آپ کے پیچھے تراویح کیلئے مستقل مقتدیوں کے علاوہ دور دراز کے محلوں کے لوگ گھنٹوں پہلے آجاتے تا کہ ان کو جگہ مل جائے۔

تیسری چیز تھی معمولات اور اوراد و وظائف کی پابندی، اس میں بھی کبھی تخلف نہیں دیکھا جو بھی معمولات تھے اس کو بہت اہتمام سے پورا فرماتے، حصن حصین آپ کے پاس ہمیشہ رکھی رہتی بلاناغہ روزانہ اس کو پڑھتے دیکھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے شروع سے تزکیۂ نفس کی طرف توجہ فرمائی، چنانچہ فراغت کے بعد اولاً آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے رجوع فرمایا اور پھر بالآخر حضرت مفتی صاحب سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی۔

سالکین طریقت جانتے ہیں کہ شیخ ومرشد سے اجازت بیعت کتنے مراحل طے کرنے کے بعد ملا کرتی ہے، اس لئے مفتی صاحب کی طرف سے اجازت ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے مرشد کی ہر ہدایت پر طویل عرصہ تک بصد جان عمل کیا ہوگا۔ مجاز بیعت ہونے کے باوجود آپ نے آخر عمر میں

حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھی صدر مجلس شوریٰ مظاہر علوم سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور پھر حضرت حکیم صاحب مدظلہ کی طرف سے بھی اجازت حاصل ہوئی، مجاز بیعت ہونے کے باوجود کسی اور سے اصلاحی تعلق قائم کرنا کسر نفسی اور انتہائی تواضع کی دلیل ہے۔

چوتھی چیز وہ ہے صبر وشکر، لاک ڈاؤن کے زمانہ میں اتنی شدید بیماری لاحق ہوئی کہ زندگی سے مایوسی ہوگئی تھی، پھر اسی شدید بیماری کی حالت میں اہلیہ محترمہ کا اچانک انتقال ہوگیا۔ ابھی اس بیماری اور غم کی حالت سے نبرد آزما نہیں ہوئے تھے کہ برادر کبیر حضرت اقدس مولانا محمد سلمان صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل آپ کو صحت عطا فرمائی مگر اتنی شدید بیماری کی تکالیف جھیلنے اور اتنے بڑے بڑے صدمات سے گذرنے کے بعد کبھی کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا، جب بھی کوئی تذکرہ آیا تو زبان پر صرف صبر وشکر کے الفاظ ہی رہتے تھے جب کہ ظاہر ہے کہ دل کتنا رنجیدہ اور غمگین رہا ہوگا مگر رضاء بر قضا کا عملی نمونہ بنے رہے۔

اور سب سے بڑی بات کہ اس تیس سالہ رفاقت میں کبھی کوئی ناخوشگوار بات پیش نہیں آئی، بندہ کی طرف سے ہمیشہ احترام واکرام کا معاملہ رہا اور حضرت مفتی صاحب کی طرف سے شفقت، مروت، محبت ہی ملی اس لئے اس رفاقت کے چھوٹنے سے دلی رنج ہوا، حضرت مفتی خالد کی رحلت کی خبر مفتی محمد اسامہ صاحب علی گڑھی نے فون پر دی کیونکہ میں اس وقت بکار مدرسہ ممبئی کے سفر پر تھا جس وقت خبر ملی ایک دھچکا سا لگا، فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور زبان سے دعائیہ جملے ادا کئے، کچھ دیر تک عجیب سی کیفیت رہی، کیونکہ رنج اس بات کا تھا کہ مظاہر علوم کے اندر جس کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گذاری کا موقع ملا، اس کے آخری دیدار، غسل وکفن اور تدفین وغیرہ میں شرکت نہیں ہوسکی۔

جس کے ساتھ اتنی طویل رفاقت رہی اس کی تربت پر تین مٹھی مٹی بھی ڈالنا نصیب نہ ہوا گویا شاعر کی زبانی

پھول کیا ڈالو گے تربت پر مری
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ہم سب کو صبر وشکر کی توفیق دیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

واقعات الفتاویٰ

فتاویٰ مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

ووٹ کے نشان کے ساتھ وضوء وغسل کا حکم

ووٹ ڈالدئے جانے کی نشانی کے طور پر جو سیاہی لگائی جاتی ہے وہ فوری زائل نہیں ہوتی، اور اس کے نہایت مہین ہونے کی وجہ سے غالب گمان ہے کہ وہ پانی کے بدن تک پہنچنے سے بھی مانع نہیں ہوتی، اس لئے اس کے ساتھ وضوء وغسل درست ہے، جیسا کہ مہندی کا بھی یہی حکم ہے:

قال فی مراقی الفلاح: ولا ما علی ظفر الصباغ من صبغ للضرورة وعلیه الفتوی
(حاشیۃ الطحطاوی مع المراقی ۳۵)

وفی الدر المختار: ولا یمنع الطهارة ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمه به یفتی (الدر المختار مع رد المختار ۱/۱۰۴)۔

مغرب کی ایک رکعت ملنے کی صورت میں بقیہ نماز کی ادائیگی کا طریقہ

مغرب کی نماز میں جماعت کے ساتھ اگر صرف ایک رکعت مل سکے تو بقیہ نماز کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ سلام پھرنے کے بعد ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کیا جائے، پھر ایک رکعت اور پڑھ کر پھر قعدہ کیا جائے اور سلام پھیر دیا جائے، اس طرح تین رکعات تین قعدوں کے ساتھ اداء ہوں گی، تاہم اگر کوئی اس صورت میں امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کرے تب بھی نماز ادا ہو جائے گی اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا:

وفی الحلبی الکبیر: لو ادرک مع الامام رکعة من المغرب فانه یقرأ فی الرکعتین الفاتحة والسورة ویقعد فی اولٰهما لانها ثانیة ولو لم یقعد جاز استحسانا لا قیاسا ولم یلزمه سجود السهو لو سهوا لکونها اولی من وجه (ص۴۶۸)

معتدہ کا مشترک صحن میں جانا:

عدت کی بنیادی پابندیوں میں سے ہے کہ معتدہ شوہر کے گھر سے باہر نہ جائے، پھر جس طرح معتدہ کے لئے گھر سے باہر کہیں بھی جانا جائز نہیں ہے اسی طرح اگر معتدہ کے مکان کی یہ نوعیت ہو کہ متعدد مکانات یکجا بنے ہوئے ہوں، جو الگ الگ اشخاص کی ملک ہوں اور ان سب کا صحن اور دروازہ مشترک ہو، تو ایسے مکان کے مشترک صحن میں بھی معتدہ کے لئے جانا جائز نہیں ہے، بلکہ عدت کی تکمیل تک شوہر کے خاص مکان میں محدود رہنا لازم ہے (ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۵/۴۴۱)

معتدہ کے لئے ووٹ کے لئے گھر سے باہر جانے کا حکم:

معتدہ کے لئے شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، اور ووٹ ڈالنا ایسی شدید ضرورت نہیں کہ جس کی وجہ سے گھر سے باہر جانے کی اجازت ہو، لہذہ معتدہ کے لئے ووٹ ڈالنے کے لئے گھر سے باہر جانا شرعا جائز نہیں ہے:

وفی الدر المختار: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا تخرجان منه الا ان تخرج او انهدم او تخاف انهدامه او تلف ماله او لاتجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات (الدر المختار ورد المحتار ۲/۶۲۰، فتاوی محمودیہ ۱۳/۳۹۸)۔

حاجی کا کسی دوسرے سے رمی کرانا:

دوران حج بکثرت دیکھنے سننے میں آیا ہے کہ حجاج بالخصوص خواتین بلا تأمل دوسرے سے رمی کرالیتے ہیں اور اس کو کافی سمجھتے ہیں، واضح رہے کہ دیگر مناسک حج کی طرح رمی بھی خود کرنا لازم ہے، شرعی عذر کے بغیر کسی دوسرے سے رمی کرانا ناجائز اور ناکافی ہے، شرعی عذر سے مراد یہ ہے کہ جو دوسرے سے رمی کرانا چاہتا ہے وہ:

(الف) ایسا بیمار ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو۔

(ب) یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر جانے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو۔

(ج) یا خود رمی تو کرسکتا ہے مگر خود جانے کی استطاعت نہیں اور کوئی لے جانے والا بھی نہیں۔

ایسے معذور افراد دوسرے سے رمی کرا سکتے ہیں، محض ازدحام یا معمولی تکلیف و مشقت معتبر نہیں

ہے۔(ملاحظہ ہو : معلم الحجاج ص ۱۷۲)

بینک یا حکومت کے توسط سے حج میں قربانی کرانا :

عموماً حجاج حج تمتع کرتے ہیں اور حج قران یا تمتع میں قربانی کرنا واجب ہے، پھر رمی، قربانی اور حلق کو بالترتیب انجام دینا بھی ضروری ہے، ورنہ مزید قربانی (دم) واجب ہوجاتی ہے، حجاج کی سہولت کے لئے بینک اور حکومت کے توسط سے قربانی کرالینے کی سہولت موجود ہے مگر اجتماعی طور پر لاکھوں حجاج کی قربانی اس طور پر انجام دینا کہ سب حجاج کی ترتیب برقرار رہے دشوار ہے، اسلئے قربانی کا عمل از خود انجام دیا جائے یا کسی معتمد واسطہ سے انفرادی طور پر قربانی کرالی جائے، حکومت یا بینک کے توسط سے قربانی کرانا خلاف احتیاط ہے:

وفی شرح الوقایة :نحر القارن قبل الرمی اور حلق قبل الذبح فعلیه دم(۱/۲۷۵)۔

چکی سے گیہوں دے کر آٹا لینے کا حکم :

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ راشن ڈپو سے گیہوں لے کر اس کو چکی والے کو دیدیتے ہیں اور اس سے اس کے عوض اتنا ہی آٹا لے لیتے ہیں اور پسائی کی مد میں اس کو کچھ رقم بھی ادا کرتے ہیں۔

شرعی رو سے یہ صورت ناجائز ہے، کیوں کہ حضراتِ فقہاء نے آٹا اور گیہوں کو ایک جنس قرار دیا ہے، اس وجہ سے ان کا تبادلہ علّتِ ربا (جنس وقدر) کے تحقق کی وجہ سے نقد اور برابری کے ساتھ ضروری ہے، مذکورہ صورت میں معاملہ تو اگرچہ نقد ہوتا ہے لیکن چکی والا پسائی کی مد میں اضافی قیمت بھی وصول کرتا ہے، جس کی وجہ سے برابری کی شرط مفقود ہوجانے کے سبب یہ معاملہ ناجائز ہے اور یہ اضافی رقم شرعاً سود ہے۔

وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنساء بهما... لا (لا یصح)، بیع البر بالدقیق أو بالسویق (کنز الدقائق/ص ۲۴۷)

البتہ اس معاملہ کی درجِ ذیل صورتیں جائز ہیں:

(۱) چکی والے کو گیہوں دے کر ان کا آٹا پسوایا جائے اور جب پس جائے تو پھر وہی آٹا لے لیا جائے اور چکی والے کو پیسنے کی اجرت دیدی جائے۔

اس صورت میں چوں کہ چکی والے سے گیہوں پسوا کر اس کی اجرت ادا کی گئی، تو یہ اجارہ کا معاملہ ہوا، جو جائز ہے۔

(۲) پہلے گیہوں قیمت کے عوض چکی والے کو فروخت کر دئے جائیں، پھر جو قیمت بنے اس کے عوض آٹا خرید لیا جائے، (چوں کہ آٹا گیہوں کی بنسبت مہنگا ہوتا ہے اس لئے وہ کم ملیگا)۔

اس صورت میں گیہوں کا تبادلہ پیسے سے، اور پھر پیسے کا آٹا سے تبادلہ ہوا تو یہ دو معاملے ہوئے، اور ہر معاملہ میں مبیع وثمن مختلف الجنس ہیں اس لئے کمی بیشی کے باوجود یہ معاملہ جائز ہوگا، نیز چوں کہ فقہاء کرام نے ثمن پر قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کی اجازت دی ہے، اس لئے ثمن پر قبضہ سے پہلے اس کے عوض آٹا لینے میں کچھ حرج نہیں۔

و صح التصرف في الثمن قبل قبضه (كنز الدقائق / ص ۲۴۷).

(۳) چکی والا گیہوں کی مقدار سے کچھ زائد آٹا دے، مثلاً دس کلو گیہوں اور دس روپے چکی والے نے لئے، تو وہ مثلاً ساڑھے دس کلو آٹا دے۔

یہ صورت جائز ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں دس کلو گیہوں دس کلو آٹے کا عوض اور دس روپے آدھی کلو آٹے کا عوض قرار پائیں گے، لہٰذا گیہوں اور آٹے میں برابری کے تحقق کی وجہ سے معاملہ جائز شمار ہوگا۔

نیز اگر چکی والا زائد آٹے کی قیمت بھی گیہوں والے سے وصول کر لے، مثلاً اسی صورت میں گیہوں والے سے دس کے بجائے بیس روپے وصول کر لے تو بھی جائز ہے۔

عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت

عمرہ خواہ کبھی بھی کیا جائے اس کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوتا، البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، اس صورت میں حج فرض ہوجاتا ہے، وہ صورت یہ ہے کہ جس شخص نے حج نہ کیا ہو اور وہ شوال میں عمرہ کرنے کے لئے پہنچ جائے یا رمضان میں گیا ہو اور وہاں ماہ شوال شروع ہوجائے تو اس پر درج ذیل دو شرطوں کے ساتھ حج فرض ہوجائے گا:

(الف) اس کے پاس حج کرنے تک کے مصارف موجود ہوں۔

(ب) اس کو حکومت کی جانب سے ایام حج تک رُکنے اور حج کرنے کی اجازت بھی ہو:

اور ان دو شرطوں کے ساتھ جو شخص بھی ایام حج شروع ہونے کے بعد وہاں پہنچ جائے خواہ عمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اس پر بھی حج فرض ہوجائیگا۔

تعزیتی خط

بروفات حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۴ رشوال ۱۴۴۵ھ/ ۲۴ راپریل ۲۰۲۴ء بدھ کے روز علی الصباح لکھنؤ میں انتقال ہو گیا، چونکہ حضرتؒ نے طالب علمی کے زمانہ میں کئی سال تک مظاہر علوم سہارنپور سے اکتساب فیض کیا اور یہاں تعلیم حاصل کی، یہاں کے حضرات علماء کرام سے عقیدت ومحبت کے ساتھ ہمیشہ تعلق استوار رکھا، اس لئے مؤقر حضرات اساتذہ کرام (مولانا محمد معاویہ سعدی، مولانا محمد خالد سعید اعظمی، مولانا قاری احمد ہاشمی) کے ایک وفد نے من جانب مدرسہ لکھنؤ ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں پہونچ کر تعزیت اور مندرجہ ذیل خط پیش کیا۔ عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مکرم ومحترم مولانا عبدالباری فاروقی وبرادران زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً ایک ماہ قبل سے آپ کے والد گرامی منزلت مخدوم محترم حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں اور مظاہر علوم سہارنپور اور خاص طور سے مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ سے حضرت والا کے عقیدتمندانہ وارادتمندانہ تعلق کی بناء پر کئی مرتبہ دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ آپ سے رابطہ کر کے صورت حال معلوم کی جائے، آپ سے تو رابطہ نہیں ہوا، البتہ برادر عزیز مولانا مفتی ارتضاء الحسن رضی صاحب سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خیریت معلوم کی، انہوں نے بتلایا کہ طبیعت میں پہلے سے افاقہ ہوا ہے، اس سے اطمینان ہو گیا تھا، لیکن بروز بدھ جب کہ احقر سفر میں تھا، صبح بذریعہ واٹس ایپ یہ اندوہناک خبر ملی کہ آپ کے والد بزرگوار، جانشین امام اہل سنت، ترجمان دیوبندیت حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی بھی اس دنیا سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، إن للہ ما أخذ و له ما أعطی و کل شيء عنده بأجل مسمّی، فلتصبر و لتحتسب

مولانا کی رحلت سے دل کو شدید دھچکا لگا ہے۔ اُن کے چلے جانے سے علمی وملّی دُنیا میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ وہ اپنی سادگی، منکسر المزاجی، ملنساری اور انسانیت نوازی کی وجہ سے ہر طبقے کے لوگوں میں مقبول تھے۔ وہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی کے پوتے اور مناظر اسلام مولانا عبدالسلام فاروقی کے جانشین اور ان کی روایتوں کے امین اور پاسبان کی حیثیت سے معروف تھے۔

مولانا فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر علوم سہارنپور میں (۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) شرح جامی بحث اسم، نورالانوار، شرح وقایہ، قطبی وغیرہ کے سال داخلہ لیا اور حضرت والد صاحب اور ماموں محترم حضرت مولانا زبیر الحسن رحمہما اللہ کے درسی ساتھی رہے، سہارنپور پڑھنے کے دوران یہاں کے اساتذہ خاص طور سے حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مراقدہما سے قربت رہی، جس کا اثر حضرت مولانا کی زندگی میں خوب نمایاں رہا۔ دارجدید کی مسجد میں ماہ مبارک میں اعتکاف میں ملک و بیرون ملک کے بہت سے علماء کی حاضری ہوتی تھی، حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقیؒ بھی تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے دور میں تو باقاعدہ مسجد میں معتکفین کے درمیان ان کا بیان بھی ہوا کرتا تھا۔

مولانا مظاہر علوم سہارنپور کے ہمیشہ ارادتمند رہے، جب بھی دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لاتے تو موقع نکال کر اکثر مظاہر علوم اور خانقاہ خلیلیہ میں حاضری کا نظام بناتے۔ مظاہر علوم کی دینی تعلیمی اور تصنیفی خدمات کے مولانا فاروقی ہمیشہ معترف رہے اور اس سلسلہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات بڑے استوار رہے، چنانچہ ۲۰۱۶ء میں جب مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ نے تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ایک بڑے اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو اس کے لئے مقرر خصوصی کی حیثیت سے حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ نے من جانب مدرسہ مظاہر علوم بطور خاص آپ کو شرکت کی دعوت دی، حضرت مولانا فاروقی صاحب نے اس دعوت کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ تشریف لائے، مجمع عام سے خطاب فرمایا اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے مدعو کئے جانے کو اپنے لئے ایک اعزاز بتایا۔

آپ نے پورے ملک میں مختلف اسٹیج سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت بیان کی اور خاص طور پر مدح صحابہ کے عنوان سے جو جلسے ہوتے تھے اس میں آپ کی شرکت اور آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے کا عوام کو موقع ملتا تھا۔ آپ کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع تھا، آپ دارالمبلغین لکھنؤ کے مہتمم تھے اور

اسی ادارے کو اپنی توجہات کا مرکز بنا رکھا تھا، جس کے تحت محرم الحرام کے عشرۂ اولی میں جلسہ ہوتا تھا اور اس اجلاس سے ملک کے نامور علمائے کرام کے خطاب ہوتے تھے۔ آپ نے پورے ملک میں مدح صحابہ کی تحریک چلائی، آپ مجلس تحفظ ناموس صحابہ کے سربراہ تھے، اس کے علاوہ متعدد اداروں، تنظیموں کے سرپرست تھے، اس ادارہ کو آپ نے تحریک مدح صحابہ کے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا، وقت کے نامور علماء ان جلسوں میں شرکت کرتے، یہاں سے جو پیغام دیا جاتا، پورے ملک میں اس کی گونج سنائی دیتی، آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں لکھنؤ میں اہل تشیع کا زور کم ہوا، عام لوگوں کے اندر اپنے عقائد کو سمجھنے میں دلچسپی پیدا ہوئی اور ان کے دل میں صحابہ کے تئیں عقیدت واحترام میں اضافہ ہوا۔

آپ کو جمعیۃ علماء ہند سے خصوصی لگاؤ تھا اور اس کے مختلف مناصب آپ کے پاس رہے، حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے زمانۂ صدارت میں آپ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۲ء تک اس کے ناظم عمومی رہے، اور دوبارہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں ۲۰۰۸ء سے ناظم عمومی کا عہدہ سنبھالا اور ۲۰۲۰ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے، اور ۲۰۲۰ء میں ممبئی کے اجلاس منتظمہ میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا نائب صدر نامزد کیا گیا جس پر اپنی وفات تک کام کرتے رہے۔

اللہ تعالی حضرت مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت کی باغ و بہار عطا فرمائے، دفاع صحابہ اور مدح صحابہ کے سلسلہ کی ان کی تمام کوششوں کو ان کے لئے سعادتِ اخروی کا ذریعہ فرمائے اور ان کے نیک کاموں کی تقلید اور اتباع کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت آپ سب حضرات کو صبر وسکون، ہمت وحوصلہ مرحمت فرمائے اور حضرت مولانا کے تمام دینی، ملی کاموں کو آپ حضرات کے ذریعہ جاری رکھے، آپ حضرات کی بھرپور نصرت وحفاظت فرمائے۔ آمین

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور آپ سب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور الحمد للہ ایصال ثواب کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ میں اپنی طرف سے اور مدرسہ مظاہر علوم کی طرف سے آپ سب حضراتِ پس ماندگان کی خدمات میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں۔

والسلام

بندہ محمد صالح الحسنی

۱۷ شوال ۱۴۴۵ھ / ۲۷ اپریل ۲۰۲۴ء

اخبار مظاہر

افتتاحیہ دعائیہ مجلس

مؤرخہ ۶؍شوال ۱۴۴۵ھ/۱۶؍اپریل ۲۰۲۴ء بروز بدھ صبح آٹھ بجے مظاہرعلوم میں افتتاحیہ دعائیہ مجلس حضرت ناظم صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں منعقد ہوئی، جس میں تمام اساتذۂ کرام وملازمین مدرسہ نے شرکت کی، مدرسہ کے امین عام ونائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح الحسنی نے مجلس سے گفتگو فرمائی، انھوں نے اپنی گفتگو میں اساتذہ وملازمین مدرسہ کو احساسِ ذمہ داری کی جانب توجہ دلائی، اور اساتذہ وملازمین مظاہرعلوم کے اس سلسلہ میں واقعات بیان کئے، اس سلسلہ میں مخدومنا حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے ارشادات اور فرمودات بیان کئے اور ان کو روبعمل لانے کی بابت گفتگو کی۔

اسی طرح مولانا مفتی سید محمد صالح صاحب نے تمام شرکاء مجلس کو مخاطب کرکے اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ہم سب کو اپنے اوقات کا تحفظ اور ان کا صحیح استعمال کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ ہمارے اوقات صحیح مصرف میں خرچ ہوکر ہمارے لئے نیکی اور سعادت کا ذریعہ بنیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا، اس کے بعد اگلے روز سے جدید داخلوں کی کارروائی کا آغاز کردیا گیا۔

جدید وقدیم داخلوں کا آغاز

ہر سال کی طرح اس سال بھی مدرسہ مظاہرعلوم میں شروع شوال سے ہی حسبِ ضابطہ داخلہ فارم کی تقسیم شروع ہوگئی تھی اور کاغذی ودفتری کارروائی کے بعد کل تقریباً دوہزار تین سو جدید طلبہ نے درخواست داخلہ کی تکمیل کرکے داخلہ امتحان میں شرکت کی، پورے تیقظ اور ضابطوں کی تکمیل کے بعد ان کی جانچ کی گئی، اور الحمدللہ امسال مدرسہ کے تمام شعبہ جات میں داخلہ حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافہ رہا۔

عربی وفارسی درجات کے تقریری وتحریری امتحانات کے بعد جدید وقدیم داخلوں کی تکمیل ہوچکی

ہے، اس وقت تکمیلات (شعبۂ افتاء، تخصص فی الحدیث، تخصص فی التفسیر، شعبۂ ادب عربی، تحفظ ختم نبوت ، شعبۂ تدریب فی القضاء، تخصص فی القراءت، شعبۂ تجوید) وغیرہ کے جدید وقدیم داخلوں کا سلسلہ جاری ہے۔

طلبہ کی تربیت اور دارالاقامہ کے نظام میں مزید بہتری لانے کے لئے اس وقت دارالاقامہ کے چھ حضرات اساتذہ کرام بطور نگراں مقرر ہیں، جو پوری ذمہ داری کے ساتھ دارالاقامہ کی نگرانی، طلبہ کی رہائش اوران کے لئے بہتر سہولیات فراہم کرنے میں منجانب مدرسہ مامور ہیں۔

اسی طرح امسال بھی داخلہ کے لئے تشریف لانے والے تمام جدید طلبہ کو داخلہ کے پہلے ہی دن سے دونوں وقت من جانب مدرسہ کھانے (بلا قیمت) کا نظم کیا گیا، اس سے طلبہ کو بڑی راحت رہی، اور انھوں نے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ امتحان کی تیاری کی۔

دعائے صحت کی درخواست

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے قدیم استاذ شعبۂ عربی مولانا حفظ الرحمن صاحب مدظلہ مؤرخہ ۱۸؍شوال کو اچانک سخت بیمار ہو گئے، مقامی طور پر علاج معالجہ کا سلسلہ جاری رہا، لیکن خاطر خواہ افاقہ نہ ہونے کی وجہ سے انھیں موہالی (پنجاب) کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں لے جایا گیا، جہاں ڈاکٹروں کی نگہداشت میں ان کا علاج ہوا اور طبیعت میں افاقہ ہوا، تادم تحریر مولانا حفظ الرحمن صاحب اسپتال سے اپنے گھر سہارنپور واپس آچکے ہیں، لیکن ابھی ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق وہ مدرسہ تشریف لانے سے معذور ہیں۔ تمام قارئین کرام سے ان کے لئے دعائے صحت وعافیت کی خصوصی درخواست ہے۔

تین اہم شخصیات نمبر

ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کی خصوصی اشاعت ''وفیات نمبر'' کے بعد اب جلد ہی اسی ماہ میں ''تین اہم شخصیات نمبر'' شائع ہونے جارہا ہے، جس میں خصوصیت سے حضرت مولانا سید محمد سلمان سہارنپوریؒ، حضرت مولانا قاری رضوان نسیمؒ، اور حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنیؒ کے زندگی کے احوال، ان کی دینی، علمی وتصنیفی خدمات پر اہم مضامین اور مقالہ جات شامل ہیں۔

ان شاء اللہ عید الاضحیٰ سے پہلے یہ خاص اشاعت قارئین کرام کے ہمدست ہوگی۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA
PH:0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com

Rs. 30/=